

اَن هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخِذَ الى رَبِّهِ سَبِيلًا ط

# رَشْحَاتُ النَّس

موسوم به

# الْمَحَاتُ الْقَدِيس

از

افادات مجتمع البرکات عاشق ذوالجلال صاحب فضل و مال فقیر حق آگاه

حضرت حاجی او گھٹ شاہ وارثی

متوفی پھرایوں، ضلع مراد آباد۔ اندیا

- (جملہ حقوقی حق مولف محفوظ ہیں ہے) -

نام کتاب:	..... رشحات الانس موسم بیانات القدس
مصنف و مؤلف:	..... حضرت حاجی فقیر امگٹ شادواری
انگلش ترجمہ:	..... انجم سلطان شہباز
معاونت:	..... راشد عزیز وارثی
ناکپیل:	..... ایاز شہباز: اُنچی پر منگ پر یس، جملہ
اشاعت باہتمام:	..... راجہ احمد اریوسف وارثی
صفحات:	..... 240
تعداد:	..... 500
سین طباعت:	..... ستمبر 2009ء
ناشر:	..... ملکتبہ وارثیہ سنگھوئی، جملہ

- (رابطہ برائے حصول کتاب) -

- ۱۔ حاجی وارث ملی شاہ مسولیم ٹرست دیوبندی (یونی - انڈیا)
- ۲۔ ٹرست آستانہ عالیہ وارثیہ چھپریہ (شائع راولپنڈی - پاکستان)
- ۳۔ ملکتبہ وارثیہ سنگھوئی، تحصیل و شائع جملہ (پاکستان)
- ۴۔ وارثی کتب خانہ بورے والا - شائع و بازی (پاکستان)

## حرف آغاز

تیری نگاہ میں جو کچھ نہیں تو کیا ہوں میں  
جہاں عشق میں گو بیکر وفا ہوں میں  
محبوب کی نگاہ میں بچے کی خواہش انسان کو کیا سے کیا بنادیتی ہے اور کہاں سے  
کہاں پہنچا دیتی ہے۔ محبت عجیب کے اک اک اشارہ اہم و پہ اپنا سب کچھ لانا دینے کیلئے  
ہمہ وقت تیار ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد و حید محبوب کی رضاہوتا ہے۔ ان کے بیوں  
پہردم یہی را نہ ملتا ہے:

میں ترے ہی در کافقیر ہوں میں ترے ہی غم میں اسیر ہوں  
مجھے اک ذرا سی جگہ ملے تری چشم بندہ نواز میں  
سر کار حضور عالم پناہ سیدنا حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ اعزیز عاشق ذات فہ  
تھے۔ انہوں نے اپنے رب کے عشق میں، رب کی رضا کی خاطر اپنا سب کچھ لانا دیا اور اس  
کی ذات میں ایسے مجوہ ہوئے کہ اپنا آپ بھی بھول گئے۔ چنانچہ آپ اکثر فرماتے ”سناستا!  
ہم کچھ نہیں۔“ رب کریم نے ان کے عشق کو اہر کر دیا۔ اور ان سے فقر کے ایک ایسے سلسہ  
کی ابتداء کر دی کہ جس کی بنیادی عشق الہی پر کھلی گئی۔ سر کار حضور وارث عالم نواز نے فقر  
اور عشق کو لازم و ملزم فردا۔ آپ فرماتے ”فقیر عاشق ہوتا ہے۔“ چنانچہ آپ سے تمام  
وارثی احرام پوش فقراء نے اسی عشق و محبت کے سلسہ کو آگئے ہذا حملیا۔ انہیں فقراء میں سے  
عاشق ذوالجلال صاحبِ فضل و کمال فقیر بے مثال حضرت حاجی امجد شاہ وارثی اور فقیر

کامل و اکمل عاشق وارثے عالم نواز حاجی جانشہ اکمل شاہ وارثی بھی تھے۔ جن سے سلسلہ وارثیہ کی بے پناہ ترویج و اشاعت ہوئی۔ انہیں کے دامن شفقت و محبت میں پروردش پا نے والی ایک عظیم شخصیت مفلک علم و عرفان سالار تقابل سوز و گمراخلس جمال وارثے عالم نواز حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی ہیں۔ عصر حاضر میں سلسلہ وارثیہ کی ترویج و اشاعت کیلئے آپ کی خدمات بے نظر و بے مثال ہیں۔ مساجد، مدارس، مزارات اور نماہی اداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ آپ نے سلسلہ وارثیہ کے لڑپچر کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دی اور بے شمار تدبیم اور نایاب کتب کی اشاعت نوکاہندو بست فرمایا۔

جنون ۱۹۰۹ء میں آپ نے اپنے آخری سفر بر طاثیہ کے دوران حلقہ مجتہدین میں اس خوبیش کا اظہار فرمایا کہ سلسلہ وارثیہ کی ترویج و اشاعت کیلئے قدیم اردو کتب کو انگلش زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرنا چاہئے۔ تاکہ انگریزی خواں طبقہ بھی سرکار و ارث عالم نواز کی تعلیمات سے مستفید ہو سکے۔ اس وقت آپ کاروئے مخفی برادرم یوسف وارثی صاحب کی طرف تھا۔ انہوں نے حضرت صاحب سے اس سلسلہ میں تفصیل چاہی تو آپ نے ”حیات وارث“ از ”مرزا ہدایتم بیگ شیدا وارثی“، اور ”رشقات الانس“ از ”حضرت حاجی امگھٹ شاہ وارثی“ کے نام لئے چنانچہ جناب یوسف وارثی صاحب نے اپنے رہبر و رہنمائی کی اس بات کو پلے باندھ لیا اور اس کام کو پا یہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کمرستہ ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے راجہ ابرار یوسف اس سلسلہ میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے اور ان دونوں کتابوں کی اشاعت کی تمام تر ذمہ داری اپنے سر لئے لی۔ ان کی کوششوں سے ”حیات وارث“ شائع ہو چکی اور اب ”رشقات الانس“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی نے اپنی زندگی میں کتنے کام شروع کئے۔ کن کن لوگوں کو وہ کام سونپے، کن کن کے پر ذمہ داریاں فرمائیں اور کون کون سے لوگ ان ذمہ

داریوں کو نجات ہے ہیں۔ یہ رو دل کے ساتھ سوچنے اور غور فکر کرنے کا مقام ہے۔  
 یوسف وارث اور ان کے صاحبزادے ابھار یوسف اس حوالے سے انتہائی خوش  
 قسمت ہیں کہ انہوں نے اپنے شیخ کی زبانِ قدس سے تکنی والی القاٹ کو سننا، سمجھا اور  
 اسے عملی جامہ پہنایا۔ میری گزر ارش پر میرے انتہائی عزیز اور مہربان دوست چنانِ احمد  
 سلطان شہباز نے بڑی محنت کے ساتھ اس کتاب کا انگلش ترجمہ کیا۔  
 اللہ کریم حضور سر در کائنات بَلِّیل اور سر کار دار شاپاک کے صدقے ان کی اس  
 خدمت کو قبول فرمائے۔ انہیں دو جہان کی خوشیوں، فتحتوں اور آسانشوں سے نوازے اور  
 ہمیشہ کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز فرمائے۔ ان کے چند بہترین محقق و مجتہد اور سور و گداز  
 میں شب و روز اضافہ فرمائے اور ہم سب کو اپنے مرشد کریم کی تعلیمات کو سمجھنے، ان پر عمل  
 کرنے اور دوسریں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آئین ثم آئین بحق سید  
 المرسلین بَلِّیل۔

فقط

خاکِ در حبیب بَلِّیل

راشد عزیز وارث

E-Mail: rawarsi707@yahoo.com

## یاوارث

**بسم الله الرحمن الرحيم**

الْحَمْدُ لِلَّهِ مَنْ قَدَرَ خَيْرًا وَ جَهَالَ  
وَالشَّكْرُ لِمَنْ صَرَرَ حُسْنًا وَ جَهَالَا  
لَمْ أُشْهِدْ بِاللَّهِ هُوَ الْوَاحِدُ حَقًا  
لَمْ أُشْهِدْ إِنْ فَلَوْرَ اللَّهُ تَعَالَى  
اللَّهُ اللَّهُ كَيْا شَانَ هَےِ كَخَاتِلِ كَوْنِ وَ كَانَ کَےِ اِيكِ فَرَمانِ کِنْ تَيْکُونَ نَےِ پِر کِرْ شَہِ  
وَکَھَا یَا کَہْ شَہِ رَہْ زَارِ (ستِرِ زَار) عَالَمِ تَلَوْتِ عَدَمِ سَےِ جَلَوتِ وَجَوْدِ مَیں آیا۔ جَوْ صَانِعٌ ہَےِ چَوْنِ  
وَتَيْکُونُ کَےِ اَعْلَامَاتِ گُونَگُوں سَےِ سَرَایا مَمْلُو ہَےِ۔

تعالیٰ اللہ کمال صنع ہیچوں      کہ ما را از عدم آورد ہیروں  
وجودِ جملہ خلیل حضرت اوست      ہمہ آثار صنع قدرت اوست  
﴿اللَّهُ تَعَالَى کی ذات کمال کی صانع ہے جس نے مجھے عدم سے باہر کھالا اور یقینام و وجود اس کا  
سایہ بسا اور یقینام نشا نیاں اس کی قدرت کی ہیں﴾

چنانچہ تمامی کائنات حضرت الوہیت کے کمالات کا مجموعہ اور سرکار احادیث کے  
صنایت کا آئینہ ہے۔ از مرش ناپریش اس کی قدرت آنکھا رواہ اور اس کی صنعت کا اظہار ہے بقول:

بِهِ اَهَا مَظَاهِرَ ذَاتِكَ

بِهِ اَشْيَاءَ مَظَاهِرَ اَهَا

﴿تمامِ اس کی ذات کے تجھان ہیں اور تمامِ چیزیں اس کے ماں کی نشا نیاں ہیں۔﴾  
لیکن باوجود یہ جملہ تحقق اپنی سیرت میں فرد اور صورت میں بے ظیر ہے۔ مگر یہ  
مسلم ہے کہ انسان صنعتِ الہی کی مخصوص اور مکمل تصویر ہے، بصداقت لَفَدْ حَلْقَةَ الْإِنْسَانِ  
فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ط جس طرح ذات ایز دی یکتا و بے ہمتا ہے اسی طرح یہ یکل انسانی اس کی  
قدرت کامل کی بیش نشانی اور تمامی تحقق سے انضل و ممتاز اور خطاب "لَفَدْ حَرْمَنَانِي اَدَمْ"“  
سے صفر از ہے بقول جانی علیہ الرحمۃ

اے ذات تو از صنایت ما پاک      کنه تو ہیون ز حد اور اگ

## یا و ارش ..... (۲) ..... دو و مارٹ

**آدم بتو شد تکرم اردہ پھر سے مقام ذرا خاک**

﴿تیر کی ذات میری صفات سے پاک ہے اور تیر کی حدود میرے فہم اور اک کی حدود سے باہر ہیں۔ آدم کو تجھے سے تکریم ملی ورنہ خاک کا مقام ذرے سے زیادہ نہیں﴾

بلکہ خاص اسی مشت خاک کا پیشہ و اختصار ہے کہ حضرت احمد بن جالہ نے اپنے یہ قدرت سے تیر کیا اور اس کی صفت بے عدل نے ایسا تکلیل و جملہ مجسم تیر فرمایا جو بلحاظ آب و گل بظاہر تیرہ دنار یک ضرور ہے مگر درحقیقت انوار قدسیہ سے پرپور اور اسرار الہیہ سے معمور ہے۔ بقول

**زبے در تیری دیدار کروہ طسم سخن پا سرار کروہ**

**تجاب صورت آنجا باز بست خودی و خوش در پر وہ نشست**

﴿اس نے انڈھیرے میں دیدار بخشنا اور مسحور کن خزانے کو سرار سے لبریز کر دیا وہاں اس نے اپنی صورت سے تجاب بنتا یا اور وہ خود اور اس کے اپنے پروے کے پیچھے بیٹھ گئے﴾

حتیٰ کہ صالح بامال نے ”وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي“ کا مقتدر اعزاز اور ”فِيَ الْفُسْكُمْ أَفْلَاتُ تَحْرُرُونَ“ کا مخصوص امتیاز مرحمت فرمایا کہ اس حسین مجسم کو تمام عالم و عالمیان سے ایسا برگزیدہ و ممتاز کیا کہ عرائج معرفت میں ”عَلَمَ ادَمَ الْأَسْمَاءَ كُلُّهَا“ کی دولت لا زوالی و دیعت ہوئی اور سرکار احمدیت سے اسی خاک کے پتلے نے خلیل اللہ کا پاک اور مقدس خطاب پایا اور ذات واجب الوجود کا آئینہ اور اس کے صفات غیر محدود کا مظہر اتم ہوا۔ بقول

**خداوندے کے جان بخشد و اور اک نہاد اسرار خود را در کف خاک**

**زناکے ایں بہ معنی نمودہ در و دیدار خود پیدا نمودہ**

﴿اللہ تعالیٰ نے اور اک کو جان دی اور اسی مخفی بھر خاک میں اپنے راز مسحور یہ اسی خاک سے تمام معاملی پیدا ہوئے اور اس میں اس نے اپنا جلوہ ظاہر کر دیا۔﴾

حقیقت یہ ہے کہ وہ شاہد ہے ہمارا جو پرانہ عظمت اور تجاب خنا میں لمبا یا کلتائی ہیش سے مستور تھا۔ اس نے باہ جو دینے والام و نثار ہونے کے پیشان رکھائی کہ صورت آدم میں جلوہ نہیں فرماتی۔ بقول

**اے مغربی آں یا رک بے نام و نثار بور**

**بے نام و نثار آمد و بام و نثار شد**

﴿اے مغربی وہ دوست ہو کہ بے نام و نثار تھا بے نام و نثار آیا اور نام و نثار بن گیا یہ﴾

## یا و مارٹ ..... ۸ ..... دو و مارٹ

یعنی اس لامکان کی یہ گلی کا نہیں اس رنگ میں ہوا کہ  
**خُلُقِ قدش کے از جهنِ جان برآمدہ**  
**شانِ گھنے بصورتِ انسان برآمدہ**

وہ جب اس کے قدر و فاتحہ کا درخت بائی سے باہر آیا تو اس کی شاخوں پر انسان پھولوں کی طرح ظاہر ہوئے۔

الہٗ ان ہی مخصوص سنات کے لحاظ سے آدم با خبارِ ممکنات کے اکمل و افضل ہے۔  
 جس کے شرف و اقتدار کا اعلانِ روزِ میثاق ہوا کہ جنابِ احیتے جل جلالہ نے اپنی مقرب و نورانی مخصوص سے حکم فرمایا کہ "فَلَمَّا لَمَكِنَكِهَا أَسْجَدُوا"

**آنِ دم کَآدمَ آمَدْرَدِيَّ آنِکارا**

**اسرارِ کفت کنزِ آنکارا لمس و انہارا**

وہ اس وقت جب آدم کا ظہور ہوا تو آنکاب نے کن کے اسرار بھجو کر روز و شب کا سلسلہ شروع کیا۔

اگر یہ وجودِ خدا کی رموزِ حقیقت کا آئینہ اور علمِ معرفت کا گنجینہ نہ ہوتا تو اس کے آگے مخصوص قدر سی سر شریعتِ سلامِ ختم نہ کرتی اور ابوالبشر آدم علیہ السلام مسیح ملائک نہ ہوتے بقول حضرت فتحی الدین عطاء رضی الرحمۃ:

**گرنه بود ذات حق اندر وجود**

**آب و غل دا کے ملک کروے جہو**

وہ اگر اس خاکی وجود میں اللہ کی ذات نہ ہوتی تو کبھی فرشتی اور پانی اور مٹی کے ان عناصر کے سامنے تجدہ رہی نہ ہوتے۔

غرضِ انسان ہر چند خلقنا ضعیفِ البیان ضرور ہے مگر بے کمالِ خیالِ فانتقامِ اس سرفراش نے وصالِ شاہدِ حقیقی کے جوش میں اتفاصلہ برداشتِ باراناتِ انجلیا۔ جس کے صدر میں سرکارِ کریمِ گار ساز سے یا عزازِ ملائک اپنے عاشقِ جاہل کو ہتملِ مخصوص سے ممتاز فرمایا تقول:

**کروفرِ ایزدی بیت آدم گرفت**

**رحمت پروردگار صورتِ انسان رسید**

وہ اللہ تعالیٰ کا جمال و جمال انسان کی ٹھیکلی میں آیا اور اللہ کی رحمت نے انسان کی ٹھیکلی اختیار کر لی۔

## یا و ادیت ..... (۴۹) ..... حق و مارث

چنانچہ کتب سیر کی ورثی گردانی کرنے سے حلوم ہوتا ہے کہ از آدم تا ایدم کوئی قرن ایسا نہیں گز را کہ کسی فرد یعنی آدم کی مخصوص شخصیت کا شہرہ نہ ہوا ہوا اور اس کے ملکی مرتبہ کا نکارہ نہ بجا ہو۔ بلکہ ہر عہد میں شخصیت کے ساتھ انسان کی شان و عظمت کا نٹان بلند رہا۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ درحقیقت انسان جامع کمالات ہے۔ جب تک حجابِ تقدیمات میں محبوب ہے۔ مجبور بے اور جب توفیق الہی سے اپنی اصل کی جانب رجوع ہوتا ہے تو آبائی شرف و اختصاص کا حقیقی ورثا اس کو ملتا ہے۔

بلکہ ایسے انسان کامل کا عہد زندگی دنیا میں غیر معمولی طور پر یادگار رہتا ہے اور اس کی قوم فخر و مبارکات کے ساتھ اس کے فضل و اقتدار کا اقرار کرتی ہے اور اس کی گروپ ہو کر اس کی تقلید میں سرگرم رہتی ہے اور اس کے فعال و قول قلمبند کرتی ہے جس کے مطالعہ سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ بعض مقدس حضرات نے اپنے سوانحات نہایت تصریح و تشریح سے تطیر فرمائے ہیں اور وہی ذریں ہدایات کا مجموعہ سالکین راہ طریقت کے لئے مکمل و مستور اعلیٰ اور حصول فیضان باطنی کا مفید ذریعہ ہا ہے جس کی نسبت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

**کلک تو بارک اللہ در ملک و دین کشاوہ  
صد چشم آب حیوان از قظرہ سیاہی**

﴿تیر اقلام اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملک اور مذہب میں متحرک ہے اور اس سے پہنچنے والی سیاہی کے ایک قطرے سے آب حیات کے سوچشمے پھوٹتے ہیں۔﴾

مگر چھوٹیں انہیں بر گزیدہ ہستیوں کے مذکروں میں ہے جس کو تقریباً الہی کا شرف اور حیات جاوید حاصل ہے اور جو واقعی انسان بلکہ انسان کامل ہیں۔ اسلئے کہ ان کا عہد ظاہری جس طرح خلق کو فائدہ پہنچانا ہے اسی طرح ان کا باطنی تصرف بھی سائز و دائرہ ہے اور رہے گا۔ کیوں کہ بغاۓ ایزدی نے ان کو حیات سرمدی مرحمت فرمائی ہے۔ بقول حضرت جامی علیہ الرحمۃ

**زندہ عشق نہ مردست و نیجہ و ہرگز  
لایرانی بود این زندگی و لم یزدی**

﴿ہب جو عشق میں زندہ ہو کبھی نہیں مرتا اور نہ مردہ ہوتا ہے وہ اس زندگی میں لا زوال ہوتا اور اس کے بعد بھی زوال میں نہیں گرتا۔﴾

انجی حضرات کے حالت و واقعات تقابل خیر بھی ہیں اور ان کے اقوال و افعال میں یہ ناخیر بھی ہوتی ہے کہ صدیوں کے بعد ان کے مطالعہ سے ماظرین کامیاب اور فائز المرام ہوتے ہیں لیکن ماوشہ کے سوانحات نہ اس لائق ہیں کہ خیر میں لائے جائیں اور زمان کا مطالعہ آئندہ نسلوں کو مفید اور سودہند ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اکثر احباب نے اس فقیر سے فرمایا کہ تم اپنے حالات زندگی قلمبند کرو۔ جو ہماری واقعیت سلیمانی مفید اور بکار آمد ہوں گے۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہی عرض کیا کہ فتح رائے کا ملین کے ذکرے مفید ضرور ہوتے ہیں۔ مگر وہی حضرات جو صاحب خیر و برکات ہیں ان کے اقوال و افعال چونکہ حقیقت سے ملبوہ ہوتے ہیں اس لئے ان مقدس ہستیوں کے حالات و واقعات میں بھی یہ اثر مضمر ہوتا ہے کہ ان کے مطالعہ سے ماظرین کے عادات شائستہ اور خیالات پہنچتے ہو جاتے ہیں لہذا یہ کہنا الکل صحیح ہے کہ بر رگوں کے ذکرے بھی فیض و تصرف سے خالی نہیں ہوتے لیکن میرے حالات نہ تقابل نہ کریں نہ لائق الفاتح۔ ”من آنم کہ من دامت“ کا مضمون ہے جب کہ میری اس حقیقت سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچا تو میر اذکر کہ کب سورہند ہو گا۔

لیکن جب احباب نے مار بار یہی اصرار کیا تو مجبوراً مجھ کو یہ خیال ہوا کہ میرے حالات تو درحقیقت معمولی واقعات ہیں جو ہرگز اس لائق نہیں کہ زمان ماظرین گروں۔ البتہ میری زندگی کا وہ حصہ جو پیشوائے پرحق کے حمور میں گذر رہے وہ اس وجہ سے تقابل ذکر ضرور ہے کہ ایسے ہادی کامل کافیق اور ایسے زبردست رہنمای کا دست گرفتہ ہوں جس کی عظمت و رنحت کا شہرہ چارواں گ نالم میں ہے۔ اگر اس سلسلہ میں اپنی بیعت و ارادت اور اپنی تہبید پوچی کا ذکر کروں تو شاید زیادہ مناسب ہو گا۔ کیوں کہ درحقیقت وہ ذکر سیدی و مولاٰی مرشدی و آنائے سر کا رعالم پناہ آیے میں آیا تے اللہ حضرت وارث پاک خلق الصدقی صاحب لوالہ کے فیضان و تصرف کا ذکر ہو گا۔ لہذا بقول مولانا علیہ الرحمۃ:

**خوشنز آن باشد کہ سر لہراں**

**گفت آپہ در حدیث وکرار**

فوجہ نہایت خوش قسمت ہے کہ جس کا ذکر محبوب کی محفل میں دوسروں کی اقوال کے دوڑان ہوتا ہے۔

لہذا اس پر وہ میں اپنی حقیقی زندگی کے حالات یعنی وہ واقعات جو بارگاہ وارثی میں حاضری کے وقت دیکھے ہیں نکارش کروں گا لیکن محض سلسلہ کی غرض سے۔ پہلے اپنی ابتدائی

## یا واردہ ..... (۱۱) ..... حق و مارث

کیفیت اور آبائی حالت منحصر الفاظوں میں عرض کرتا ہوں۔

**ع: "ام کس کی قوت قصہ ماہم زماشید"**

(وہ شخص کی جس نے میرا قصہ میری زبان سے سنایا)

ہر چند فقیر کا آج کوئی ملکوں کا نہیں لیکن اس قدر کہ سکتا ہوں کہ قصہ پھر ایس خلائق مراد آباد کا قدر یہم رہنے والا ہوں اور آج بھی اس قصہ میں جب آتا ہوں تو والد ماجد کا مزار چونگا مسجد سہرا ب شاہ میں بے اس لحاظ سے حسب ہدایت پیشوائے برحق دیں قیام کرتا ہوں۔

پہلے میرا آبائی نام بدراہمین تھا۔ میری پیدائش ۲۹ محرم الحرام ۱۲۹۱ ہجری میں ہوئی اور والدہ رنگوار کا اسم گرامی شاہ شمس الدین قادری چشتی صاحبی علیہ الرحمۃ ہے جو اپنے دا میں زمیندار و ملازم سے پیش تھے لیکن بعدہ جناب حاجی نلام رسول صاحب قادری قدس سرہ مسند آرائے گو رہنا خلائق بلند شہر کے مرید ہوئے اور شاہ صاحب موصوف نے سیاحت کا حکم فرمایا تو مسلسل بارہ سال تک یہ سیاحت میں معروف رہے اور ہر طریق و شرب کے مظاہر حضرات کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ بلکہ بعض فقرائے ہند کے ساتھ بھی رہنے کا اتفاق ہوا جیسا کہ آزاد خیال حضرات کا مذاق ہوتا ہے۔ قول:

**تمسی جگ میں آئے کے سب سے ملٹی دیائے**

**ا جانے کہ بھیں میں ماراں مل جائے**

چنانچہ فقرائے ہند کے ارتبا طلاق اتحاد سے یہ نامہ ہوا کہ قوائد یوگ اور خوابیا جوگ جو طے مراحل کے لئے ان کے شرب میں لازمی ہیں ان سے کماٹھہ واقفیت ہوئی اور طبیعت کا یہ انداز ہو گیا کہ ہر طریق و مسلک کے فقیر سے بھرا تھا کہ اختلاف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جملہ اہل مل مذاہب سے یکساں ملتے تھے جسی کہ یار و اخیار کی بھی فرقیات اخلاق میں نہ تھی۔

بعد مدت معینہ جب سیاحت سے واپس آئے تو جناب شاہ صاحب مددوح الصدر نے روز توحید تعلیم فرمائے اور خلافت نامہ و ہر طریق تاؤریز میں جس کا مسلسل مطلب الاظباب حضرت اخوند صاحب مخدوم اولادیت سوات پیرستے ہے ظایفہ مجاز کیا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر ان کا یہ شریف میں جا کر حقیقت آگاہ جناب ہیر علی شاہ صاحب چشتی کے دست حق پرست پر مسلم صاحبی میں بیعت کرو۔

**چنانچہ اسی وقت بمصادق**

"چے سجادہ نگین کن گرت ہیر مفان گوید"

پھر ان تمہیں بیرون مفان کہے تو اپنے سجادہ کو شراب سے رنگین کر دو۔ ہیر ان کا یہ شریف کا سفر کیا اور حسب الحکم بیرونی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے بکمال شفقت خاندان چشتیہ صاحب یہ میں داخل کیا اور بعد ہدایات ضرور یہ شرف خلافت سے شرف فرمایا اور اپنا شجرہ جس کا سلسلہ حق نیوش حضرت شاہ خاموش قدس سرہ العزیز سے ہے محنت فرمائیا کہ اس کا اتیہ شریف جاؤ۔

جناب والد ماجد نے اسی شب کو حالت جوش و وجد میں ایک غزل لکھی جس کا مطلع

اوی یہ ہے:

کہوں کیا ربِ اعلیٰ علاؤ الدینِ صاحب کا

جسے دیکھو ہے متوا لا علاؤ الدینِ صاحب کا

دوسرے روز اتیہ شریف کا سفر کیا اور حضرت غریب نواز کے آستانہ قدس پر

حاضر ہو کر خانقاہ کے ایک جگہ میں چلمہش ہوئے۔

ہنوز آپ اتیہ شریف میں حاضر تھے کہ پھر ایوں میں یہ واقعہ ہیش آیا کہ سقف کمان

سے شارٹ عام کی جانب میں گر پڑا۔ لیکن مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس گرنے میں صاف طور پر یہ

ویکھا کہ ایک زن مجددہ بنے مجھ کو گود میں لے لیا۔ چنانچہ با وجوہ ایسی بلند چھٹ سے اور پیچھے

سرک پر اس طرح اگر اکر زندہ درہنا ممکن تھا۔ مگر ہیر ان طریقہ کے فیضان وہ رکت سے میرے

تمام عنصر اُنم اور چوت سہ باکل محفوظ رہے۔ قول حضرت مولانا علیہ الرحمۃ

اویا را ہست قدرت از الہ

تیر جسے باز گروند نہ راہ

پھر ایوں کو اللہ کی طرف سے قدرت حاصل ہوتی کروہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس موز

سکتے ہیں۔ ۴۶

اس واقعہ کے پانچ روزے کے بعد جناب والد ماجد اتیہ شریف سے پھر ایوں آئے

اور فرمایا کہ خواجہ غریب نواز کے تصرف سے مجھ کو وہیں حلوم ہوا کہ بد رالدین کوٹھے پر سے

گرا بہا اور اسی وجہ سے پھر ایوں آئے کا حکم ہوا لیکن جب مجھ کو تدرست ویکھا تو خوش ہو کر سجدہ

شکرا دیا اور ہر وقت مجھ کو ساتھ رکھنے لگے۔

اسی زمانہ میں ایک درویش جن کا نام موہن شاہ تھا اور ایک مجددہ عورت مسکنی ہوئی

بہت شہر تھا اور قصبہ کے باشندے ان کو مل جذب اور صاحب بال مل سمجھتے تھے اور یہ دونوں خدا شناس والد ماجد کے پاس زیارت آتے تھے۔ چونکہ میری نظر بہت کم تھی اور ان کی خدمت میں اس قد رشو خ ہو گیا تھا کہ اکثر موہن شاہ کے کاندھ پر سوار ہو جانا تھا۔ مگر وہ اپنے حلم اور محبت سے میری اس گستاخی کو بھی نظر انداز فرماتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں کوئی تھے گر تھا تو پارہ عم (۳۰) میں سورہ کافرون پر اعتماد تھا لیکن قرآن مجید ختم کرنے کے بعد میں سرکاری مدرسہ میں داخل ہو پھر مدرس اشناقی اور نیز دیگر مکتبوں میں تعلیم پائی اور میلاد خوانی کا شوق ہوا تو والد نے چوہڑی محسان خان صاحب کے پیرو دیکیا۔ ہن کی خوش بیانی آج تک مشہور ہے اور ورزش میں استاد بڑھوا ہن گر کاشا گرد کرا دیا۔

چوں کہ جناب والد نے پھر سیاحت نہیں فرمائی۔ اس لئے اکثر درویش آپ کی ملاتا تھا کوئی چھرایوں آیا کرتے تھے۔ بلکہ ہنچاپ سے ہندو فقیر بغرض استفاضہ و رفع شکوہ جب آئے تو ان کا قیام مہا و یو مندر میں ہوا۔ والد ماجد وہیں جا کر سکھیں تالاب پر بیحث تھا اور کسی سے اذکار و اشغال کا مذکورہ، کسی سے روز توحید میں گفتگو ہوتی تھی اور کسی کو یوگ اور جوگ کے مخصوص قواعد و فوائد سے آگاہ فرماتے تھے اور چوں کہ میں ہر وقت ساتھ رہتا تھا اسلئے وہی دیگار صحبتیں یاد ہیں اور ان کا نقش آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

ایک روز امراءو سنگھ سب اسکھ پولیس اور عشی اسدخان صاحب اسکھر حلقة جو والد صاحب کے معتقدین میں سے تھے آئے اس وقت میں بھی حاضر تھا والد ماجد نے ان دونوں کو بھی بعض صحیحیں کیں اور اسی اثنائیں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا سنو۔

### بیگانِ خُن ۷ تجربہ گفتگو

### ہاں اے پرکہ بیگ شوی پندگوش کن

﴿خُن شناس بزرگ جو کچھ کہتے ہیں تجربہ کی بیاد پر کہتے ہیں اللہ اے میرے بیٹے بوڑھا ہوئے سے پہلے صحیحت پر دھیان کر﴾

بدرالدین احمد تم کو بھی ایک صحیحت کرتے ہیں اور یہ دونوں صاحب اس کے شاہد رہیں گے کہ اگر ہماری بدا بیت کی خلاف ورزی کرو گے تو میں ہمیشہ خوش رہوں گا۔ ہر چند اس کی امید نہیں کہ تم مجھ کو رنجیدہ کرو گے۔ بلکہ خدا نے توفیق دی تو ضرور میری اس صحیحت کو مانو گے۔

بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ:

صحیحت گوش کن جان کر از جان دوست توارند

### بواں سعادت ند پنہ جہ ۱۶ را

﴿ بصیرت پر کان دھرو، فرمایہ دار جوان بزرگوں کی بصیرت کو جان سے پیارا جانتے ہیں ہے ﴾ میں نے عرض کیا کہ فرمائیے انشا اللہ آپ کے حکم کی ضرور تقلیل کروں گا۔ ارشاد ہوا کہ تمہارے واسطے بھی مناسب اور مفید ہے کہ تم منا کھت نہ کرنا اور ہمیشہ مجرداً اور آزاد رہنا۔ میں نے شوئی سے عرض کیا کہ آپ نے کیوں شادی کی؟ فرمایا کہ ہم نے اپنے باپ کے حکم کی تقلیل کی ہے اسی طرح تم اپنے باپ کی ہدایت پر عمل کرو۔ انہوں نے شادی کرنے کی ممانعت نہیں کی بلکہ خود ہماری شادی کرو یہی اور ہم تم کو بصیرت کرتے ہیں کہ شادی نہ کرنا۔ میں نے سر تعلیم شم کیا اور دست بستہ ہو کر قرار کیا کہ جو آپ نے فرمایا ہے وہی کروں گا۔

عرض ہمیشہ آپ کی توجہ میری تربیت کی جانب مبذول رہی۔ معمولی باتیں بھی زرین بصیرتوں سے مملو ہوتی تھیں اور ہر وقت فقر و تصوف کے نکات بیان فرماتے تھے جن کے سمجھنے کیلئے اس وقت میری متراس قدر نہ تھی۔ افسوس ہے کہ آپ کے ہنوز صدر کے جواہر بے بہا کے حصول سے یہ بد نسب محروم رہا کیونکہ میرے عنقاوں شباب میں دلھٹا آپ کی طبیعت ماسماز ہوئی اور بعد کو حلوم ہوا کہ یہ آخری بیماری تھی۔

چنانچہ پہلے تھرا یوں کے اطمینان کا علاج ہوا مگر جب افات نہ دیکھا تو آپ بغرض علاج امر وہ میں آئے اور مجھ کو نہراہ لائے۔ چند روز کے بعد میرے مخللے بھائی ڈاکٹر قمر الدین بھی وہاں آگئے۔ ہم دونوں تمارداری میں مصروف تھے کہ ایک روز مجھ سے فرمایا کہ اب ہم اچھے ہیں تم قصہ دیوی شریف مخلع بارہ بھکی میں جاؤ اور جناب حاجی سید وارث علی شاہ صاحب کے مرید ہو جاؤ۔

ہر چند بجھ تقلیل ارشاد کے عذر کا لازم نہ تھا مگر حالت چونکہ روز بروز متغیر ہو رہی تھی اس لئے مفارقت گوارانہ ہوئی اور انتظاری نام میں یہ عرض کیا کہ ”جب تک آپ کو صحت کامل نہ ہو جائے گی میں آپ سے ایک دن کے لئے بھی علیحدہ نہ ہوں گا۔“

پھر آپ نے یا صرا فرمایا کہ:

”تم جاؤ ہم اچھے ہو جائیں گے اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ جناب حاجی صاحب قبلہ سیر و سیاحت میں رہتے ہیں اگر دیوی شریف میں نہ ہوں تو دریافت کرنا اور جہاں قیام پڑے ہوں ویس جا کر ان کے مرید اور انہی کے فقیر ہو جانا۔ ان کا لباس رنگین احرام ہے اور شیرینی

میں لدھا اور خوشبو میں حنا کا عطر پسند ہے سبھی بھائیوں نے جانا۔“

میں نے پھر وہی عرض کیا کہ:

”چند روز میں آپ کو افاقت ہو جائے گا۔ اس وقت انشا اللہ میں جاؤں گا اور رب

سر و قائم آپ کے حکم کی تعییں کروں گا۔ اس کے بعد آپ خاوش ہو گئے۔“

جذاب والد ما جد قبلہ کی یہ ہدایت جو میرے دین و دنیا کی سلامتی کے واسطے کافی اور  
میری زندگی کیلئے سرمایہ مازہونے والی تھی جب تم ہوئی تو چند گھنٹے کے بعد روشنہ حیات قطع  
ہونے کے آثار نمایاں ہوئے۔ حتیٰ کہ اسی روز یعنی ۱۳۱۳ھجری کو بعد ظہر نفس جسی  
سے طاڑ روح پر فتوح نے پرواز کیا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

قبل انتقال کے پہلی فرمایا تھا کہ بہتر یہ حلوم ہوتا ہے کہ میرے ہادی طریق پشتیہ  
کے مزار اقدس کے قریب جو محلہ بنوالا (امروہ) میں ہے میری قبر ہو اور اگر پھر ایوس لے جانا  
تو مسجد سہراپ شاہ میں مجھ کو فتن کرنا۔

چنانچہ بھائی تمر الدین نے پھر ایوس لے جانا مناسب سمجھا اور فوراً ایک ہاتھ مکار کرایکا  
اور امروہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ سے بجلت تمام میں آگے گئے بڑھا اور سکان پر جا کر خشکی اور  
تجھیز و تکفین کا سامان کیا اور نصف شب کے قریب وہ جسم نورانی حسب ہدایت مسجد سہراپ شاہ  
میں پر دخاک کیا۔

جب ظلیل ہدایت پر می سر پر نہ رہا تو والدہ صاحب کے سایہ عاطفت کو منظہم چان کر ان  
کی خدمت گذاری میں ایسا مصروف ہوا کہ والد مر جوم کی آخری ہدایت کی بھی تعییں لے کر سکا  
اور ویسی شریف تک سفر کرنے کا موقع اس وجہ سے نہ ملا کہ والدہ کی طبیعت اس اساز ہتھی گئی اور  
اگر ان کے علاج سے کبھی تھوڑی فرست ملی بھی تو ان کا ضعف دیکھ کر علیحدہ ہوا دل نے گوارانہ کیا  
اور ان کا انحصار ایسا نہ تھا کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بھی پانچ ماہ کے بعد ریج  
الاول ۱۳۱۴ھجری میں ہبیش کیلئے اس وارثانی کو چھوڑا اور ملک جاودا تی کو رحلت فرمائی۔

بعد مراسم چھلم وغیرہ میں نے ایک شب کو یہ خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ  
تمہارے والد زندہ ہو کر آگئے اور تم کو بلاتے ہیں پھر سن کر میں دوڑا۔ راستہ میں غیر معہومی ہجوم  
نظر آیا جب اس مجمع کے قریب پہنچا تو یہ دیکھا کہ ایک سانپ ہے جس کا سر اور دم زمین کے  
اندر اور بقیہ جسم باہر ہے اور لوگ اس کو نکالتا پا جاتے ہیں مگر وہ نکلتا نہیں۔ میں نے بھی اس کے

نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ نہیں نکلا تو کسی نے کہا کہ اس کو چاقو سے کاٹ دو۔ میں نے ایسا بھی کیا تو اس کے گلوے پر آسمانی نگل آئے۔ اس کو چھوڑ کر آگے چلا تو حاجی اشناق حسین صاحب کو دیکھا کر اپنے دکان میں حسب محمول چوکی پر بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ چونکہ والد کے دیکھنے کا اشتیاق اپنا تھا کہ ماموں صاحب کے پاس بھی نہیں ظہرہ اور قصہ کے باہر شرتی و جنوبی سمت وہ تالاب جو گندہ کے مام سے مشہور ہے اس کے قریب جا کر نظر آیا کہ تالاب کی دوسری جانب ایک بائی میں والد تہبند باندھے بیٹھے ہیں اور کلمہ طیبہ کا ذکر بالجھر کر رہے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی۔ مگر طغیانی کی وجہ سے تالاب کے پار نہ جاسکا۔ مجبور ہو کر آواز بلند عرض کیا کہ میں کس طرف سے حاضر ہوں جس کے جواب میں والد نے پر فرمایا کہ پورب سے آؤ گے تو مجھے تک پہنچ جاؤ گے۔ حسب ہدایت میں پورب کی جانب چلا تو ایک پشتہ نظر آیا۔ اس پر چلنے کا قصد کیا تو ہدیدار ہو گیا۔

میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کہی کہ جب تک پورب جا کر جناب حاجی صاحب قبل کا حلقة گوش نہ ہوں گا۔ دنیا کے عین تالاب سے عبور دشوار بلکہ اس کی سعی و کوشش کرنا بھی بیکار ہے۔ بقول

نہ شوی واقف یک نکتہ ز اسرار و جو  
گر تو سرگشہ شوی وارہ اکان را

﴿اگر تو ممکن است میں بھلکتا رہا تو اسرار و جو کے ایک نکتے سے بھی واقف نہیں ہو پائے گا۔﴾  
اس روز سے فکر زیادہ ہوتی کہ جس طرح ممکن ہو جلد سے جلد یہ دولت سرحدی حاصل کروں لیکن سفر کے لئے خرچ نہ تھا۔ اس لئے چند روز حاضری سے مخذور رہا۔ ہر چند داری کے باعث اس ستر کی اہمیت زیادہ حلوم ہوتی تھی۔ بلکہ اکثر مایوس بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن کوئی تو ستر آمادہ کرنی تھی اور دل فر رہ ہیسا ذہن کہتا تھا

حافظ غم خور کے شاہد بنت  
عاقبت برکشہ ز پیغمبر نما

﴿حافظ غم مت کھا کر تمہاری قسمت یا اوری کرے گی اور آخرا کار و ہچھرے سے نقاب اتارے گا۔﴾

ناگاہ غیب سے یہ سامان ہوا کہ ایک شیخ زادہ جو والد مر جنم کی مریضہ تھی وہ آئی اور پچاس روپیہ پیش کرنے کے بعد کہا کہ یہ میرے میر کا حکم تھا جس کی میں نے نقلیں کی۔ اب تم حاجی

## یا ولادت ..... (حکایت) ..... حقوما

صاحب قبلہ کی خدمت میں جاؤ۔

میں نے خیال کیا کہ اس سفر کے واسطے پچاس روپیہ زائد ہیں۔ اس نے بصدق اقی:

”ہر چیز گیر یہ منحصر گیر یہ“، بچپس روپیہ اس ضعیفہ کو واپس کئے اور بقیہ بچپس روپیہ لے کر شوق اراحت میں یہ شعر پڑھتا ہوا تھرا ہوں سے روانہ ہوا۔

**جائے ہیں اب تو کوئے بت لالہ فام کو  
اپنا تو بس سلام ہے دار السلام کو**

لکھنو پہنچ کر میری یاد نے ملٹی کی کہ جائے بارہ بھکی کے فیض آباد کا گلکٹ خریدا یا اور چھبیسے شام کو وہاں پہنچا۔ شب کو سرائے میں قیام کیا۔ صبح کو بھیمارہ سے جتنا بھائی صاحب قبلہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا وہ میرے بھگی میر ہیں۔ آپ بہت آگے چلے آئے۔ وہ ملائی بارہ بھکی میں رہنے ہیں۔ میں اسی وقت فیض آباد سے بارہ بھکی واپس آیا یہاں تک بھی فوراً مل گیا جس نے آٹھویں میل کا وہ راستہ تقریباً ایک گھنٹہ میں طے کیا اور ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ ایک عصر کے وقت کیہہ والے نے یہ مزدودہ سنایا کہ دیوبنی شریف آ گیا۔ جب حلوم ہوا کہ منزل مخصوص ہی ہے تو عرصہ سے جو دل شوق زیارت میں بے چین تھا انہا مسرور ہو گیا اور فوراً سرست سے یہ کیفیت ہوئی کہ بیساخت زبان سے اکلا۔

**این مقام خوش کر می مخدوم نیمِ محل یار  
خیر دار حل فیہا الحیر از سب الدیار**

چونکہ میں ناواقف تھا اس لئے کیہہ والے نے رہنمائی کی اور آبادی میں جب پہنچا تو ہر چند بعض کان خام اور خس پوش بھی نظر آئے جن کے دروازوں پر مویشی بند ہے تھے یا کاشتکاری کا سامان رکھا تھا لیکن اسی کے ساتھ ایسی عمارتیں بھی دیکھیں جن کی شان و رفتہ زبان حال سے باہر تھیں کہ ان کے لئے مقتدر اور خوشحال ہیں۔ مخصوصاً بعض آنحضرت تھے کہ یہ قصہ بہت قدیم سے اوارکھی امل قصہ ہے اسی جاہوائل ثروت سے تھے جیسا کہ ایک بلند مقام پر ایتوں کا ذہیر اور شکر و یار و بھگی جس کو کیا۔ والے سے دریافت کیا تو، حلوم ہوا کہ یہ عہد شاہی میں قلعہ تھا اور اسی کے مقابل پنجتہ اور بہت وسیع سرائے کا نشان بھی نظر آیا۔ البتہ قصہ کے باشندوں کو ہم گفتگو کرتے ہوئے تو رہیلکھنڈ کی زبان سے بہت فرق پایا۔ مخصوصاً الجہ میں ہیس تفاوت تھا لیکن یہ کہوں گا کہ اور جہ کی زبان زم و شیریں، خوشنگوار اور دل آور ضرور ہے۔

الغرض تھوڑی دور چلنے کے بعد جب یہ سعادت نصیب ہوئی کہ سرکار عالم پناہ کے

ورولت پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ قدیم وضع کا ایک پختہ نکان ہے جس کی ساری میں ایسا لفڑی پر  
حسن نظر آیا اور اس کی عظمت کا وہ اثر دل پر ہوا کہ لمبا ناشرب اگر یہ کہوں تو بے جانہ ہو گا۔

**کامیت سرخاں ناٹھے و در تدر**

**بِ كَلْمَهِ جَعْلَهُ كَاهَ سَرْمَهُ شَدَ**

«یہل زمین پر ہے مگر اس کی بلندی آسمان کے کنلوں کو چھوٹی ہے۔»

سامنے جا کر یہ بھی دیکھا کہ اس آستانہ والی کتاب صدر شرقی سمت متوسط یانکا  
مکرانیازی شان رکھتا ہے اور اس کے آگے وسیع سجن ہے جس میں دروازہ کے شانی پبلو کے  
قرب چاہ پختہ اور جنوب کی طرف کمرہ جس کے آگے سانبان اور اوپر بالاخانہ ہے اور اگر بعض  
اشخاص اس کمرہ میں بیٹھتے ہیں تو بعض کسی ضرورت سے یا بخیال لفڑی طبع سجن میں کھڑے ہیں جن  
میں دو تین آدمی تو خدمتی حلوم ہوتے تھے اور کچھ لوگ دیہانی طرز کی دھونی باندھے اور کرتے پہنے  
تھے جو شاید کاشکار یا زمیندار ہوں گے اور چند اشخاص کے مہذب لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ  
معزز و ممتاز افراد ہیں لیکن ان میں بھی یہ تغیرتی ضرورتی کہ قدیم وضع کا لباس یعنی انگریز کا اور  
پانچامہ اگر کسی کے زیر بحث تھا تو بعض شیر و اتنی اور تر کی نوپی پہنے تھے جن کی وضع یہ بھی تھی کہ یہ  
مغربی تہذیب سے آگاہ ہیں اور مختلف مقامات کے باشندے ہیں۔

مجھے کو زیادہ تجربت اس وقت ہوتی کہ اس مجمع کے بعض بزرگ صورت حضرات کا لباس  
اپنی وضع میں بالکل جدا گانہ دیکھا کہ انہوں نے ایک عریض اور بلکل کپڑے کے نصف حصے سے  
ستر پوشی کی تھی اور نصف حصہ اس کا بطور چادر کے اوزٹھے تھے اور نگہ سرا اور پابھ پہن ہونے کی وجہ  
سے وہ زیندار سرپا آزاد اور تعلقات دنیا سے بے سروکار حلوم ہوتے تھے۔ میں نے ان بزرگوں  
کے مقدمہ لباس اور مخصوص امتیاز سے یا اندازہ کیا کہ شاید حاجی صاحب قہدہ کے فقیر ہیں۔

غرض میری مادائیت گواہانت نہیں دیتی تھی مگر نکلتا ہوا جب قریب دروازہ کے پہنچا  
تو جو لوگ وہاں موجود تھے وہ میری اپنی صورت اور میرا سافرانہ اسہاب دیکھ کر میری جانب  
نمایا ہوئے۔ میں نے سلام کیا تو نہایت اخلاقی سے انہوں نے سلام کا جواب دیا اور محبت  
آمیز لہجہ میں میری حاضری کا سبب دریافت کیا۔ میں نے ٹھیکانے میں اسی قدر کہا کہ قدم ہوئی  
کو آیا ہوں۔

چنانچہ میری خواہش حلوم ہونے کے بعد ایک صاحب اس دروازہ کے اندر لگئے  
اور چند منٹ میں واپس آ کر مجھ سے کہا کہ چلو تم کو بایا ہے۔ اس منظر جملہ سے کہ ”چلو تم کو بایا

بے ایسی صرفت ہوئی کہ بے اختیار دل نے ایک کہا اور یقین ہو گیا کہ میری دری پیدا آرزوں اُن پوری ہو کر رہے گی۔

جب ان کے ہمراہ چلا تو صدر دروازہ کے پہلے ایک ایسی صرفت ڈیوڑھی میں داخل ہوا جس میں ایک دروازہ درمیانی اور ایک آٹھ میں تھا۔ اس کے اندر گیا تو دیکھا کہ کشادھن کے جنوبی سمت کمرہ اور اس کے آٹھ کھنچتی در کا والاں ہے جس میں زمین کے فرش پر نہایت سادہ مگر اختیازی طور پر ایک گدا بچھا ہے جس پر ایک مقدس بزرگ رنگیں احرام باندھے رہنے افروز ہیں جن کا نورانی چہرہ اور پرستھوت آنکھیں دیکھ کر خود بخوبی دل کو یقین ہو گیا کہ

### "خدانما بے خدا کی قسم یعنی صرفت"

ہر چند رعب عظمت سے دل مرعوب تھا مگر کشش حسن کا وہ گہرا اثر ہوا کہ پرانہ وارس شیع جمال اپریوی کے قریب جا کر کمال اوب قدیبوس ہوا۔ فرمایا "کہاں سے آئے ہو؟" میں نے دست بست عرض کیا کہ پھر ایوں شائع مراد اباد سے۔ ارشاد ہوا: "ہاں پھر ایوں امراد ہے سے وس کوں اور سنجھل سے نیں کوں ہے۔" میں نے عرض کیا کہ تجی ہاں اسی قدر ہے۔

پھر حضور نے ایک ضعیف تہبند پوش خادم سے مخاطب ہو کر فرمایا "رجیم شاہ، اس بختی کے رہنے والے کسی سے نہیں ڈرتے" اور مجھ سے ارشاد ہوا۔ "اچھا تھرو۔ پھر ملاتا ہے ہوئی" اور دوسرے خادم سے یقین مالا کہ "نیخو شاہ ان کو درگاہ میں پھر راؤ۔"

فیضو شاہ والاں سے باہر میرے ساتھ اس مقام تک آئے جہاں اپنا اسباب چھوڑ گیا تھا میں نے اس میں سے شیر شی اور عطر نکالا جو حسب ہدایت والد مر جوم لے گیا تھا اور وہ ناجائز ہے یہ حضور کے سامنے پیش کیا۔ جناب حضرت نے اس میں سے نصف لامہ و تناول فرمایا اور اپنا اش صرف لامہ و نجاح کو مر جنت ہوا اور بقیہ حاضرین کو تقسیم کر دیئے گئے۔

پھر نیخو شاہ صاحب مجھ کو اس کا ان میں لائے جو درگاہ کے نام سے سوسم اور آستانہ وارثی سے تقریباً سو گز کے فاصلہ پر تھا۔ پورہ حقیقت ایک خانقاہ تھی اور درگاہ کے نام سے اس لئے مشہور ہے کہ شاہ ولایت حضرت محمد عبدالحصیم قادری کنج المعرفت قدس اللہ سرہ العزیز کا یہاں مزار اقدس ہے جس کے سجادہ نشین اس وقت شاہ فضل حسین صاحب تھے جن کو علاوہ اس شرف کے جناب حاجی صاحب قبہ کی نعلیٰ اور خدمت کا مخصوص اعزاز بھی حاصل تھا۔

درگاہ میں اسباب رکھا تو اس وقت فیضو شاہ صاحب سے اپنی ولی تمنا کا انہمار کیا

کہ حلقة نلامان وارثی میں واصل ہوا چاہتا ہوں۔ فتحیو شاہ صاحب پھر مجھ کو آستانہ وارثی پر واپس لائے اور جب والان کے قریب پہنچا تو سن کہ سرکار عالم پناہ نے ایک خادم سے (جن کا نام بعد کو حلوم ہوا) کتابخانی بخشش ملی تھا افریما کہ "یہ خاناصا صاحب تھجھرا یوں سے مرید ہونے آئے ہیں۔"

خاناصا صاحب نے مجھ کو دیکھ کر عرض کیا کہ مجھے وہ خود آگئے اور ادھر فتحیو شاہ نے دریافتی لہجہ میں عرض کیا تھجور یہ مرید ہونے کو کہت ہیں۔ اس رہنمائے کامل نے یہ بندہ نوازی فرمائی کہ اسی وقت میری تحریری کی اور ارشاد ہوا:

"کہہ ما تھج پکڑنا ہوں بیہ کا، پیختن پا کٹ کا، خدا رسول کا، اَسْتَغْفِرُ اللَّهِ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ حَطَّيْةً وَّاتُورَبُّ إِلَهٖ"

میں نے حرف بحرف ہر جملہ کا اعادہ کیا۔ بعد ارشاد ہوا "جاوہر ہو۔ مرید ہو گئے۔" میں قدہ بوس ہو کر پھر درگاہ میں آیا اور اپنے بستر پر لیٹ رہا۔ مگر یہ تھیں ہوا کہ حسب ہدایت والد مرحوم مرید تو ہو گیا لیکن بیہ صاحب شاید بیعت لیا ہوئیں جانتے کہ عام جلد میں مرید کیا۔ کیونکہ قبل اس کے دنگر بزرگوں کو نلوٹ میں مرید کرتے دیکھا تھا اور اسی کو میں صحیح طریقہ بیعت چاہتا تھا۔

میں اس توہم میں بدلنا تھا کہ اگاہ شاہ فضل حسین صاحب نے (جو روشن نور کے چہوڑہ پر ایک مولوی صاحب سے با تمنی کر رہے تھے) مجھ کو پکارا میں فوراً حاضر ہو تو صاحب مددوں نے ماصحانہ لہجہ میں فرمایا:

"خان صاحب تم نے فتحی دیکھے نہیں ہیں۔ البتہ تمہارے والد جانتے تھے جو تم کو یہاں بھیج گئے۔ خان صاحب یہاں اصل فقیری ہے اور صحیح طریقہ بیعت بھی یہی ہے۔"

موصوف الصدر کی اس تقریب کامیرے دل پر گہر اثر ہوا اور دھڑا وہ خدا شاست باطل۔ میرے قلب سے رفع ہو گئے اور اب یہ خیال ہوا کہ جب یہاں کے مرید کا یہ حال ہے کہ میرے خواطر پر مطلع ہو کر آن واحد میں تخفیہ بالطفی کیا تو پھر کی کیا شان ہو گئی اور اپنے نلاموں کی اصلاح وہ کس خوبی سے کرتے ہوں گے۔ واقعی فضل الہی شامل حال تھا کہ مجھ پر گناہ کو ایسے حقائق آگاہ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ جو درحقیقت فتحیہ اکمل اور مرشد لانا تی ہے۔ بلکہ دم ہوا کہ جب میرے مانی الصدر سے اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ثہردار ہیں تو

### ع اب مدد کھانے کی کوئی صورت نہیں رہی

بلکہ مجھ کو تحریر دیکھ کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب تم نے جو خواب دیکھا تھا

وہ سانپ سمجھا رے خیالات ہیں اور چاق تو ہماری یہ تصور ہے۔ جس کریمہرا خیال اور پنچتہ ہو گیا کہ لاریب یہ بڑی جگہ ہے اور اس بارگاہ نامی کے خلالم ایسا بلند مرتبہ رکھتے ہیں کہ جب ارادت کا صرف خیال تھا۔ اس وقت سے یہ لوگ میرے مدد و معاون ہیں لیکن افسوس میری ادائی کا یہ تیجہ ہے کہ اس وہم باطل نے ایسا ذینکل کیا کہ جس کی وجہ سے اب نہ کنون علم ہوتی ہے۔

چنانچہ خیالات سے سر جھکا لیا اور شاہ صاحب کے سامنے سے شرمند ہو کر اپنے بستر پر آیا۔ ہر چند شوق زیارت نے بار بار تحریک کی مگر فور مدت سے چیلھوائے برق کے حضور میں حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوئی اور شام تک یہ حالت رہی کہ جب اپنا قصور پیدا آیا تو معلوم ہوا اور ان کی کریمانہ بخشش کا خیال ہوا تو عظیم میر کی امید میں پر عرض کرتا تھا۔

اے شہنشاہ بلند اختر خدا را ہمنے

ناؤسم پھجو گردون خاک ایوان شا

اے عظیم شہنشاہ! خدا کیلئے مجھے بہت دے تاک میں تمہاری دلیز کی اس خاک کو بوس دے سکوں جو عظمت میں آسان کی برادری کرتی ہے۔

قریب مغرب پھر صاحب مدد و حصر نے فرمایا کہ خان صاحب تم سرکار میں کیوں نہیں گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اپنے خیال فاسد کی وجہ سے خاکف اور مادم ہوں اور اپنی مذہوم غلطی کے باعث سمجھتا ہوں کہ اس پاک اور مقدس ذات کے سامنے جانے کے لائق نہیں رہا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب میوس نہ ہو۔ ہم لوگ ذرہ صفت اور وہ بہ عظمت اور آفتاب منزلت ہیں۔ ہم کو مغل تالاب کے بھجو جو تھوڑے پانی میں امل پڑتے ہیں۔ ان کو بخوبی کنار جانو۔ ہم خطاط شاعر ہمیشہ ہافڑ مانی کرتے ہیں مگر وہ اپنی مہربانی سے درگز فرماتے ہیں۔ تمہاری غلطی کا واثق تمہارے اس آب بدامت نے دھو دیا۔ اب نہ ذرہ۔ جاؤ اور خود جاؤ اور مھمن رہو۔ امید ہے کہ وہ پندرہ نواز ضرور تمہارا قصور لظر انداز فرمائیں گے۔

مجھ کو اپنے شفیق نائج کے اس ارشاد سے یہ بہت بندھی کہ لرزائ ورز ساں آستانا وارثی پر حاضر ہوا اور قصور والخلام کی حیثیت سے قدبوی کی۔ اس وقت جناب حضرت نے یہ شان محبوبیت دکھانی کے مخصوص بیوں سے فرمایا۔ ”صح کو چلے جانا۔“ میں نے بکمال ادب پر عرض کیا کہ ابھی جانے کو دل نہیں چاہتا آئندہ جو حکم ہو۔ حضور خاموش ہو گئے اور پھر پانچ روز تک آستانا اقدس پر حاضر رہا۔

جب حضور نے رخصت فرمایا تو ارشاد ہوا کہ ”شوال میں شاہ ولایت کے عرص میں آما“ پھر کسی اس عرص میں مجھ کو یہ حلوم ہو چکا تھا کہ میلہ کا تک جو سرکار عالم پناہ کے حکم سے تمام ہوا ہے اس کو صرف پندرہ روز باتی ہیں اور شوق کا تھانہ تھا کہ جلد حاضر ہوں۔ اس واسطے و مت بستہ عرض کیا کہ حضور تنہ یہ ہے کہ اس خلام کو میلہ میں طلب فرمائیے۔ جناب حضرت نے شاید میری مالی حالت کے لحاظ سے پھر وہی فرمایا کہ ”شوال کے عرص میں آما“ اور میری زبان سے اضطراری حالت میں پھر وہی لگل گیا کہ بندہ نواز اس خلام کو میلہ میں طلب فرمائیے۔ چنانچہ اس مرتبہ اس جامع حلم و کرم نے عجیب شان سے مکرا کے پیغامیا کہ ”اچھا جانا“ ضرور میلہ میں آما۔ میں قدم بوس ہو کر ۳ جمادی الاول کو پھرایوں واپس آیا اور اسی روز سے دوسرے سفر کے لئے انتقام کرنے لگا۔ ہر وقت یہی خیال تھا کہ اس جمال جہاں آ را کی وجہ کب فیض ہو۔ خصوصاً جب دو تین دن روائی کے باقی رہنے والے اضطراب کی یہ حالت تھی کہ ایک ساعت ایک دن اور ایک دن ایک سال حلم ہونے لگا۔ بقول

ما تم این ہفتہ شدaz شہر و چکم سایہت

حال ہجران تو چہ دانی کہ چہ مشکل حایہت

﴿مجھے اس کے شہر سے آئے ایک ہفتہ ہوا اور آنکھوں کو سال محسوس ہوا۔ اس ہجر کا حال تم کیا جانو گے کہ یہ کس قدر رکھن ہوتا ہے۔﴾

آٹھوہ دن بھی آگیا کہ معموی اسباب لیکر پھرایوں سے روانہ ہوا اور ۳ جمادی الاولی ۱۴۱۳ ہجری کو جو انتقام میلہ کی تاریخ تھی دیوبنی تشریف پہنچ گیا اور بعد حصول سعادت قد ہوئی مجھ کو حکم ہوا کہ ”درگاہ میں قیام کرو۔“ کیونکہ پا امر خصوصیات عادات میں ہے کہ حضور نے وضعداری کا لحاظ بھیش فرمایا جس کا ذکر آپ کے ملفوظات میں بوضاحت منقول ہے اور چونکہ مزان جمایوں کا انداز یہی تھا اس لئے غالباً کوئی ممتاز وضعداری کی ہدایت ہوئی۔ بلکہ جس نے کسی امر میں اگر پابندی کی تو اس سے آپ خوش بھی ہوئے اور اس کو وضعدار کا خطاب بھی مرحمت ہوا اور شود تو وضعداری کو اس درجہ پر نہ فرمایا تھا کہ اگر کوئی معموی بات بھی بھی وقوع پذیر ہوئی تو اس کے لئے یہ انتقام ہوتا کہ آئندہ جب اس کا موقع آیا تو اس کو اسی صورت سے کیا جاتا تھا جس مغل سے وہ ابتداء میں ہو چکی ہے مثلاً کسی شہر یا قصبے میں جس کے نکان پر آپ پہلی مرتب قیام پذیر ہوئے پھر بھیش کے واسطے یہ دستور ہو گیا کہ جب وہاں تشریف لے گئے تو اس کے مہمان ہوئے۔ بلکہ دیبات کی سیاحت میں یہ دیکھا ہے کہ کسی درخت کے سایہ میں بھی

قیام یا استحتجہ کیا یا کسی کتوں کا پانی نوش فرمایا تو جب اس راستے سے گذر ہوا تو اسی درخت کے سامنے میں ضرور بھرہ رہے۔ یا استحتجہ کیا۔ یا اس کتوں کا پانی قلیل ہی۔ کسی مگر نوش فرمایا لازمی تھا لیا جس کسی کے ساتھ جو مراعات ایک مرتبہ کی گئی وہ ہمیشہ اس موقع پر کی جاتی تھی۔ علی ہذا آستانہ اقدس پر جو مہمان آیا اور جس کے قیام کے واسطے بوجگہ بھلی مرتبہ تجویز ہوتی تھی۔ پھر ہمیشہ اس مہمان کا قیام اسی سکان میں ہوتا تھا۔ لہذا پہلی مرتبہ چونکہ میں درگاہ میں رہا تھا اس اختبار سے میرا استحقاق ہو گیا کہ جب حاضر ہوں تو درگاہ میں رہوں۔ چنانچہ حسب الحکم درگاہ میں بستر لگایا اور دیکھا کہ بعض اخوان ملت مجھ سے پہلے آپکے ہیں اور بعض میرے بعد آئے۔ حتیٰ کہ میلے بھر گیا اور ہر طبقہ کے لوگ ۱۵۱۵ تاریخ تک جمع ہو گئے جن میں کاشکار اور اولیٰ روحیہ کے زیندار بھی تھے اور رئیس اور تعلقدار بھی، فقیر و درویش بھی، عالم و فاضل بھی، وکیل و پیر سر بھی، اہل علم بھی، ذہنی اور سب بیج بھی۔ غرض امیر و خریب بھی۔ اولیٰ و اعلیٰ جو حق در جو حق اطراف و جواب سے آئے اور آستانہ وارثی پر ان مختلف ذوق والوں کا ایک مقام پر اور باہمی اتحاد کے ساتھ بغیر کسی امتیاز کے ریا یا مخصوص نجع تھا کہ رنگارنگ پھولوں کا گلدستہ حلوم ہوتا تھا۔

قریبہ ہے کہ جس طرح اس مجمع کے ہر فرد کی ظاہری وجہت اور حیثیت جدا گانہ تھی اسی طرح ان کی وارثات اور استعداد ایسا بھی ضرور مختلف ہو گئی۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ باوجود اس اختلاف طبائع کے ایک خیال میں یہ پار مجمع ایسا متحد تھا جس کی نظر ملنا دشوار بلکہ قریبہ محال کے ہے کہ ہر شخص دنیاوی اغراض سے قطعی محض را اور شیع جمال وارثی کا پرانہ تھا اور یہ تن کو شناس تھا کہ کوئی خدمت میں ایسی گروں جس سے حضور مسیح ہو گئے ہوں۔

چونکہ قل اس کے میں نے دیکھا تھا کہ کسی بزرگ کے جملہ مرید اس کے کاپے شیفتہ ہوں اور بغیر کسی غرض کے اس کی ایسی خدمت اور بحوثی کریں کہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ ہو بلکہ سنبھی رہ تھا کہ فلاں سیر کے تمامی علقہ گوش اس کے فریفہ ہیں اور صرف خوشنودی میزان سب کا نصب ایسی ہے اس واسطے خلامان وارثی کی پیغمبربت دیکھ کر مجھ کو جیرت ہوئی اور اس نثارہ سے میرے فہم و ادراک میں اس قدر اہتزاز بھی ہوا کہ سکون قلب میں گونہ اشتعال اور طبیعت میں خود گلی کے آثار لیاں ہوئے لگے۔ مگر شوق میں یک سوتی ضرور پیدا ہو گئی کہ بجز جمال وارثی کوئی دوسری صورت تکمیل بخش اور دل آویز نہ رہی۔ بتول:

بخت نواب آلوں ما بیدار نواہ شد مگر

زاںکے زور دیدہ آبے روئے رختان شا

﴿میرے سوئے ہو بھاگ جاگ اسے مگر اس طرح کہ میں نے ذہن مائی ہوئی آنکھوں آپ  
کے پھرے کی چمک دیکھی۔﴾

اور دل میں خواہش یہ پیدا ہوئی کہ اپنے یوسف جمال پیشوں کے جان ثار نلامان میں  
اگر میرا بھی شمار ہو جائے تو ہیڑا اپار ہے۔ ہر چند عاشقان سرفروش کی مثل بے خود و مدد ہوش ہو جاتا تو  
مجھا افسر دہول کے لئے ممکن و محال ہے لیکن درود لست کا جارہ ب کش بھی ہو جاؤں تو یہ موقع ہاتھ  
آئے کہ خاک پائے محبوب کو محل المصر بناؤں۔ قبول

گر دست بدھ خاک کف پائے نگارم  
مر لوح بصر خدا غبارے بیگارم

﴿اگر مجھے ان کے پاؤں کی تھوڑی سی خاک میسر آ جائے تو میں اسے آنکھوں سے لگاؤں اور  
سر میں کی طرح دھار بنا لوں۔﴾

اس انتہاز کا ظاہری نتیجہ یہ ہوا کہ بعض حركات خلاف عادت ایسے بھی سرزد ہوئے کہ  
جن کے موقع سے خود مجھ کو شرم و نامنست ہوتی تھی لیکن اسی کے ساتھ یہ گفتگی ہو گئی کہ جس چیز کو  
حضور کے ساتھ منسوب پایا اس سے دل بھٹکی ہوتی تھی۔ چنانچہ ۱۵ اتارنگ کو میلد دیکھنے شاہزادیں  
گیا یہ مقام آستانہ وارثی سے قریب و فرلانگ کے ہے۔ علاوه وہ مر تماشوں کے وہاں یہ کرشمہ  
بھی دیکھا کر ایک ارادتمند حضور کی خدمت میں تہبین پیش کرنے جاتا ہے۔ مگر شان یہ ہے کہ باہم  
اور قوامی کے علاوہ ہزاروں آدمیوں کا مجمع بھی ہمراہ ہے۔ چونکہ اس مجمع کو حضور سے خاص نسبت  
تحمی اللہ ابھی دیکھ پہلے حلوم ہوا اور تہبین کے ساتھ جب قریب آستانہ اقدس پہنچا تو دفعائی  
ہوش آیا کہ تم سرفروش غلاموں کے دوش بدش رہنے کے مختین بھی ہو اور بمحاذہ شرب اس کا بھی  
دعویٰ ہے کہ۔

من قلہ راست کرم برست خوش ادائی  
عین سرے چو ماہ و شوئے بر بدھ پائی

﴿میں نے محبوب کی طرف قلہ درست کر لیا ہے اور میر انگا سرچاند کی طرح ہے اور میں نگہداں  
چلتا ہوں۔﴾

لیکن یہیں سوچتا کہ ارض پاک پر جتنا پہن کر چلنا اور پیشوائے برحق کے حضور میں  
نوپی پہن کر جاما صریح بجاوی اور بہت براقصور ہے۔

چونکہ انفال وارثی شامل حال تھا۔ میرا یہ ذیال پختہ ہو گیا اور اسی وقت جتنا بھی دیں

چھوڑ دیا اور تو پی بھی پھینک دی اور اس مجع کے ہمراہ سرکار عالم پناہ کے حضور میں حاضر ہوا اور جب وہ تہبند پیش ہو گیا تو میں اسی بیان کی ذات کی سے درگاہ آیا۔ شاہ نفضل حسین صاحب سے اپنی امتنان ری کیفیت اور اضطراری حالت بیان کی کہ اب انتظار کی طاقت نہیں۔ ولی تقریباً کلام بار بار یہی اصرار ہے:

بَنْ بَنْكَ لِامْسَتْ زَجَاجَ نَامُوسْ  
بَكُويْ عَشْقَ بَرِيزَ آبَ روَيْ تَقْوَى رَا

﴿اپنی حزت و ماموس کو ملامت کا پتھر مارو اور عشق کے کوچے میں اپنی پارہائی پانی کی طرح بہاؤ۔﴾

اللہا حسب ہدایت والد مرحوم پہلے سے بھی مسحیم ارادہ تھا۔ لیکن آج مستحق طور پر یہی تمنا ہے کہ سرکار عالم پناہ کا فقیر ہو جاؤں۔ گوئر کے لحاظ سے مجھ کو تحریر بہت کم ہے۔ مگر روزمرہ کے واقعات دلکش کر دیتا ہے ثبات اور تعلقات دنیا بیکار بکد باعث آزار ہیں بقول

جَهَانَ وَكَارَ جَهَانَ جَمَدَ يَقِيْ درِيْقَ اَسْتَ  
ہزار مارِ منِ ایں نکایت کرَدَه اَمْ تَحْقِيقَ

﴿میں نے ہزار مرتب تحقیق کی ہے کہ دنیا اور اس کے کام ہے معنی ہیں﴾

شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ ہنوز غنوں شاہ ب ہے۔ تہبند پوش ہونے کا ارادہ نہ کرو لیکن جب میں نے اصرار کیا تو مددوح نے رحیم شاہ صاحب کو بلا کر کہا کہ یہ تہبند کے طلبگار ہیں۔ وہ سرکار میں گئے اور واپس آ کر کہا کہ حضور فرماتے ہیں کہ ”اُنہی نہیں یہ لارکے ہیں۔“

یہ پنجمین کا واقعہ ہے کہ میری درخواست بارگاہ وارثی میں مانظور ہوئی تو مایوس ہوا لیکن اضطراب قلب سے تمام شب تقریباً بھی والد مرحوم کی برباد تائماں ہو گئی تو ان سے عرض کیا کہ یہ عبودۃ نیل ہنوز آپ کی تسلیم نہ کر سکا۔ مجبور ہوں کہ سرکار عالم پناہ مانظور نہیں فرماتے اور بھی بکمال خصوع حضور اقدس سے رجوع کی۔

لَخَطَرَ اِزاَبَ لَبَ آمَدَ نَفَسَ  
اَزَ فَرِيادَ تَوَ فَرِيادَ رَسَ

﴿میں سامنے لختر ہوں اور میری جان بیوں پر بھائے فریاد سننے والے میری فریاد سن گے۔ با و شاہلا تو چیزیں پا کے کایا رگا را اور تمام مقام بجا اور وارث عالم تیرا مام ہے۔ تیرے

چشمہ فیض و انعام سے خاص و عام ہیشہ فائزہ المرام ہوئے لیکن افسوسی یہ نلام شومنی قسم سے ہو رخموں و ملکام ہے بقول:

بہت شکر بستان واد و گلہٹ منے پہ مجنواران

تم کر عایت حران نہ بازم نہ باشم

﴿اس نے مستوں کو شیرینی عطا کی اور مجنواروں کو آنکھوں سے پلاوی مگر میں بد نصیب نہ ان میں اور ان میں﴾

جسی کہ جمع کا دن اسی حالت میں گزرا کر شکر سر پا پہ ہند پریشان پھرنا رہا۔ مگر آنھے بیجے شب کو بخت خواہید ہیمارہوا کہ رحیم شاہ صاحب آئے اور شاہ نفضل حسین صاحب سے کہا کہ بھائی وہ خانصاپ کہاں گئے۔ سرکاران کو بلاتے ہیں۔ اس وقت میں جنوبی والان میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مژدہ شکر مسروہ ہو گیا اور دل میں کہا کہ بڑا خوش نصیب ہوں کہ میرے بندہ نواز نے مجھ کو یہ فرمایا۔ بقول:

شکر خدا کے از حد بخت کاریاز

بر حسب مدعاست ہے کاروبار دوست

﴿اللہ کا شکر ہے کہ اس کی مدد سے قسمت نے یادوی کی اور میرے دوست کے معاملات اس کی مرضی کے مقابلہ چل رہے ہیں۔﴾

اسی وقت شاہ نفضل حسین صاحب نے مجھ کو بلا کفر ملایا کہ تہبند لیکر جاؤ۔ میں فوراً تہبند معد لگوٹ اور رومال کے لیکر بارگاہ وارثی میں حاضر ہوا۔ ویکھا کہ کمرہ میں حضور کے پاس رحیم شاہ، نور محمد شاہ، تاضی بخشش علی، اور بارشاہ حسین خان حاضر ہیں۔ میں نے تہبند پیش کیا جاتا ہے والا نے وہ تہبند زیر بحسم فرمایا اور اپنا مستعمل تہبند لگوٹ مجھ کو مر جست فرمایا کہ "بندھلو" اور نور محمد شاہ سے خطاب ہوا کہ "آن کو لگوٹ کی گرہتا ہو"۔ چنانچہ جس وقت وہ لگوٹ اور تہبند باندھ کر قد ہوں ہوا تو ہیئت حق سے مجھ کو پسینہ آگیا۔ حضور نے قسم فرمایا اور بارشاہ ہوا کہ "با وشاہ حسین یہ فقیر کا بیٹا ہے۔ یہاں اگر نہ آتے تو قیامت میں کچھ پھرتے آج سے اس کا نام او گھٹ شاہ ہے" اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "سوال نہ کر اور موذ ہے، کری، تخت اور پنگ پر نہ بیٹھنا اور پھرا یوں میں اپنے باپ کی قبر پر رہنا اور کہیں نہ جانا۔ جب آؤ تو سہیں آؤ۔ کسی کے مکان پر ہمیشہ نہ رہتا"۔ پھر رحیم شاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "آن کو تعلیم کرو"۔ رحیم شاہ نے عرض کیا کہ میں اس لائق کہاں۔ تب حضور نے مجھ سے فرمایا "جاو تم کو تعلیم کی ضرورت نہیں۔ تم فقیر

کے بیٹے ہوا اور اب ہمارے فقیر ہو گئے۔ اور پھر اسی جملہ کو با دشاد حسین خان سے بھی یوں فرمایا : ”فقیر کے بیٹے ہیں اور اب یہاں فقیر ہو گئے۔ ان کو زندگی تعلیم ضروری نہیں۔ ان سے خطابی نہ ہوگی۔“ اور مجھ سے ارشاد ہوا : ”جاوہ محبت رکھنا ہاں تو بہت مرد ہیں“ میں قد ہوں ہو کر درگاہ میں آیا تو مجھے تہبید پوش دیکھ کر شاہ نصلی حسین صاحب بہت خوش ہوئے۔

صحیح کو حاضر ہوا تو عرض کیا کہ والد کی قبر ایک غیر آباد مسجد کے احاطہ میں ہے جس میں جمرہ بھی نہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا : ”کوئی ربے یا نہ رہے تم جا کر وہیں رہو اور وہی تمہارے لئے جمرہ ہے جس وقت جمرہ بن جائیگا، بن جائے گا۔ کوئی نہیں روک سکتا ہے اور بعد چند ساعت کے ارشاد ہوا : ”اب جاؤ۔ سیر کرو۔“

اس فرمان وارثی کے آخری حصہ کا مضمون میں یہ سمجھا کہ سیر کرنے سے تماشا دیکھنا مخصوص نہیں بلکہ مشاہداتِ ثالق نے حلوماتِ حاصل کرے چکا تھا اس روز میں نے یہی کام کیا کہ پہلے معمن فقرائے وارثی سے ملا اور گہری نظر سے ان کا طریق معاشرت دیکھا اور ان کے نساج گوش دل سے اور ان سے سرکار عالم پناہ کے وہ حالات و واقعات حلوم ہوئے جو میرے واسطے مکمل و مستورِ حوصلہ کا حکم رکھتے تھے۔

غلی ہڈا یہے اخوانِ ملت سے بھی ملاقات ہوتی، جن کو قدامت کا شرف حاصل تھا اور حاضر بیاش تھے ان سے آستانہِ القدس کے وہ تو اعد حلوم ہوئے جن کی تعییل حاضرین کو مفید اور لازمی تھی اور اوقات حاضری اور خدام خاص کے نام بھی انہوں نے ہی تھائے اور انہیں نے خوشنوریِ مزاج کے ظاہری طریقے سمجھا ہے اور وہ امور جو شرپی لحاظ سے منوع تھے ان سے بھی آگاہ کیا۔

غرض اس تبادلہِ خیالات سے مجھے کسی قد رشراہی، حلومات بھی ہو گئیں اور اس کا اندازہ تو انہوں نے بھی کہ طریق وارثی میں عشق اور شامان وارثی کا سرماہیا رتصرف محبت ہے اور جملہ حلقہ گوش بقدرِ حیثیت و استعداد محبت کا جوش ضرور رکھتے ہیں اور ان کی ترتیبی ان کے خاص پنجم حصہ ہے بلکہ ان کے دریافت و عبادات بھی اصولاً محبت ہی سے مانو ہیں۔

الغرض سترہ تاریخ کا پورا دن ہے اور ان طریقت کی ملاقات و صحبت میں گذر رہا۔ بعد مغرب دیکھا کہ بارگاہ وارثی میں غیر معمولی رہائش ہے اور مخصوص ارادتمند مجتمع ہیں۔ تجوہے عرصہ میں انہوں را پہنچنے اسی بستر پر پہنچ گئے اور آپ کے سامنے چند منٹ تو اُلیٰ ہو کر حضرت سید قربان علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا قتل ہوا اور ما بعد آنکھا زی چھوٹی جس کا مضموم یہ تھا کہ میلہ ختم

ہو گیا۔

رات کو میں درگاہ میں آ کر سورہ با۔ صبح کو آستانہ القدس پر حاضر ہوا تو روسرا منظر تھا کہ کوئی اپنا اسباب باندھنے میں مصروف، کوئی سواری کیلئے کوشش۔ نہامان وارثی اپنے آتناۓ ذی مرثیت سے رخصت ہو گر جو حق در جوق آر ہے میں اور آپس میں مل کر ایک دوسرے کو الوداع کہدا ہے میں۔

جی کہ مجھ کو بھی فور محمد شاہ خادم خاص نے رخصت کرایا۔ اس وقت ارشاد ہوا۔ ”ان کو کھڑا اوس کیلئے دام دیدو۔ خادم نے چار آنہ مجھ کو دیے۔ پھر فرمایا کہ رومال کیلئے بھی پیسے دیدو۔“ چنانچہ چار آنہ رومال کے واسطے بھی پائے۔ پھر ارشاد ہوا: ”محارے، کان سے ریل کتنی دوڑ ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ میں کوں اور اونٹ گازی سے جاتے ہیں فرمایا کہ ”اونٹ گازی کا کراچی بھی ان کو دے دو۔“ عرض نہ کرایا گازی بھی مجھ کو مل گئے اور قدہ بوس ہو گر رخصت ہوا۔ مرا آباد میں آ کر رومال لے لیا اور کھڑا اوس بھی خرید کی لیکن کھانے کے واسطے ایک پیسہ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ اس لئے تمیر افاقت تھا جب چھرائیوں پہنچا اور بھو جب ہدایت سید حامی مسجد سہرا ب شاہ میں گیا۔ یہ مسجد بستی کے باہر اور شکستہ ہونے کی وجہ سے غیر آباد تھی جس کے افاقت و حصار میں دروازہ بھی نہ تھا۔ صحن میں بکثرت گھاس اور خود رورخت تھا اس خوف سے نہ کوئی اس میں نماز پڑھتا تھا، نہ اذان ہوتی تھی۔ مگر میں نے جا کر پہلا کام بھی کیا کہ اذان دی اور خس و خاشاک صاف کرنا شروع کر دیا۔

یہاں ایک خدش یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے وارث وارین نے رومال اور کھڑا اوس کی خریداری اور اونٹ گازی کے کراچی کے واسطے تو ایک روپیہ سے زیادہ مرحمت فرمایا لیکن خور و خوش جوانان کی ضروری حاجت ہے۔ اس کے مصارف کیلئے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔ حالانکہ کھڑا اوس کا فوراً خرید کرنا چند اس ضروری نہیں مطلوم ہوتا۔ کچھ روز نگے پاؤں پھر سکتا تھا۔ علی ہذا اونٹ گازی کا کراچی، اس کی بھی ایک فقیر کے واسطے حاجت یوں تھی کہ پہل چلتا۔ جیسا بعد میں بارہا ہوا۔ خصوصاً رومال جس کا ہوا اور نہ ہونا مساوی ہے لیکن باسیں ہم ان غیر ضروری چیزوں کا خیال تو اس انتظام سے فرمایا۔ مگر کھانا جس کا انتظام لازمی تھا اور جس پر انسان کی زندگی کا دار و دار ہے اس اہم حاجت کا لحاظ نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمیں فاتحہ رامتہ میں اور چار فاقہ چھرائیوں پہنچ کر مسلسل ہوئے۔ لہذا اگر یہ کہیں کہ ہو ایسا ہو تو ہمارے عقائد کے مناسنی ہے اور اگر محمدؐ کہا جائے تو باعتبار پشتہت ہم دریافت کریں کہ اس میں کیا مصلحت تھی۔

میرا خیال ہے کہ مصلحت و اربی سے کما حتم آگاہ ہونا تو محال ہے لیکن بظاہر یہ حلوم ہوتا ہے کہ ہمارے شریبی و سورا تمہل میں پہلی اور لازمی شرط تو کل ہے اور ہر چند متول کے جملے حاجاتِ محوال بخدا ہوتے ہیں۔ مگر ظریف ناٹر سے دیکھا جائے تو حاجات کی بھی اقسام ہیں۔ بعض حاجاتیں ایسی ہیں جن کی انسان کو ضرورت تو ہوتی ہے لیکن فوراً ان کا سامان فراہم نہ ہونے سے م Fletcher ویقرا ر بھی نہیں ہوتا۔ البتہ رزق، حیات انسان کے واسطے ایسی مخصوص چیز ہے جس کی ہر بشر کو وزانِ حاجت ہوتی ہے اور یہ حاجت ایسی اہم اور خیالات کو منشتر اور متزلزل کرنے والی ہے کہ جس کی تلاش میں اکثر غیر خدا کی بھی استعانت چاہتا ہے اور پھر اس اضطرار سے زمرہ متخلجین میں اس کا شمار نہیں رہتا اور اگر فضل الہی شامل حال ہے کہ یہ حاجت پیش آنے پر پائے استقلال کو لغزش نہ ہوئی اور انسان صابر و تابع رہا تو وہی انسان درحقیقت انسان اور صاحب ایمان و ایقان ہے گیوں کہ حکم خداوندی "فتور کلرو ان کنتم متو میں" کی وجہ پر قبول کرتا ہے۔ اسی واسطے پیشوائے برحق نے اپنے فقراء تہبید پوش کو اصل توکل کی متواری ہدایت فرمائی ہے کہ اپنے پیغمبر کے واسطے کوئی انتظام نہ کرو۔ فحست رازق العبد پر راضی رہو۔ چنانچہ آپ کے مفروضات میں ہے کہ فقراء کو حنفیوں نے بصراحت اس کی ہدایت فرمائی کہ بے طلب و غوت کا کھانا کھلایا کرو جس کا ذکر آئندہ میں تفصیل آئے گا۔

چنانچہ معلم حقیق نے شخص اپنی شفقت سے روزاول وہی سبق مجھ کو دیا جو کتاب العشق والمحبت کا پہلا باب ہے اور جس کو یاد رکھنا وہ جب اور تمام عمر جس کی قبول کسما میرا فرض نہیں تھا۔ یعنی پیغمبر نے کے واسطے بھی کوئی چیز خرید نہ کروں اور چون کافاناون شرب میں یہ شرط قطعی تھی تو ہادی کامل نے میرے واسطے اپنے اس حکم خاص کا عمل درآمد اسی روز سے مناسب تجویز فرمایا جب تہبید پیغمبر کو دیوبنی شریف سے رخصت کیا۔

لہذا میں اپنے آتائے مادر کے ہزار دریزار احصاءات میں سے پہلے اس احسان کا شکردا کرتا ہوں کہ ہادی کامل نے کیسے خوبصورت پیراپور میں سمجھا دیا کہ خور دنوں ش کا انتظام مشرب فقراء تہبید پوش کے منافی ہے۔ چنانچہ میرے رازق حقیق نے مجھ کو ہمیشہ دعوت کا کھانا کلایا اور اتفاق سے اگر دعوت نہیں ہوئی تو فنا ت فسیب ہوا جو اس کے مطبخ قدرت میں بہت بڑی نعمت ہے اور الحمد للہ کہ آذک چولھا ہانے کی نوبت نہیں آئی اور اس کا بھی شکرگزار ہوں کہ پہلے میری دعوت اعزاء اور حباب نے نہیں کی بلکہ ایک غیر شخص کو اس کا خیال ہوا۔ باوجود ک خاص عزیز ہوں کو میرا فتحی ہو کر آنا حلوم ہوا مگر کھانا مجھ کو ایک جولا ہے نے کھلایا اس سے یہ سبق

بھی حاصل ہوا کہ عزیزوں سے اعانت کا خیال صرخ و ھوکا ہے۔  
 اس کی تفصیل یہ ہے کہ چار روزے میں مسجد میں مقیم تھا اور اسی روزان میں کسی سے  
 ملاقات اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں کوئی آتا تھا اور نہ میں مسجد سے باہر گیا۔ ماتوں فاقہ تھا  
 کہ عشرے کے وقت اذان کی آواز سن کر الہ بخش نوباف نماز پڑھنے آیا اور مجھ سے دریافت کیا کہ  
 میاں صاحب آپ کا کان کہاں ہے؟ میں نے کہا: ”پورب میں“۔ لیکن بعد نماز کے جب اس  
 نے بغور دیکھا تو عذرخواہ ہوا اور فوراً جا کر ماوس اشراقی صیمن صاحب سے میرا حال بیان کیا۔  
 ماوس صاحب نے میرے سنجھے بھائی ڈاکٹر قمر الدین کو بھیجا۔ جس وقت وہ مسجد میں آئے، میں  
 احاطہ کی لگھاس صاف کر رہا تھا۔ بھائی صاحب نے کہا کہ یہ کیا صورت ہوتی ہے۔ اگر ایسی فقیری  
 کراہ تو پھر ایوں سے نکل جاؤ۔ پہلے تو میں خاموش رہا۔ جب پا اصرار جواب طلب کیا تو میں  
 نے کہا کہ آپ تشریف لے جائیے۔ مجھے نہ عزت کا خیال ہے نہ ذات کا مال۔ بلکہ آپ سے  
 بھی نہ کوئی واسطہ ہے نہ سروکار۔ الحمد للہ کر قید تعلقات سے رستگار ہو کر اب نگہ ماوس سے  
 کلیتہ دست بردار ہوں بقول:

### ماوس چند سالہ اجداد نیک نام در راه جام و ساقی مہرہ نہادہ ایم

میں نے اپنے آبا مکی نیک نامی جام اور خوبصورت ساقی کی تذکرگردی ہے۔  
 بھائی صاحب نے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی۔ ماوس صاحب بلاستے ہیں گرچلو۔  
 آرام سے رہو۔ اس ویران مسجد کا قیام باعث تکلیف بھی ہے اور نام بھی ہمام ہو گا۔ میں نے  
 کہا کہ بھائی میرے واسطے شاہی سے بہتر اس کو چکی گدائی ہے جب تکلیف و راحت کا احساس  
 نہیں تو پھر نہ آپ کی شخصیت کا پاس بجاورنہ ماوس صاحب کی ژروت سے فائدہ اٹھانے کا  
 ارادہ ہے۔ ہر چند کہ مجھ کو فخر کا درجہ نہیں ہے، نہ متکل ہوئے کامدی ہوں۔ البتہ اس بخت میں یہ  
 انقلاب ضرور ہوا کہ پہلے بد رالدین نام تھا اور اب بارگاہ وارثی سے اوگھٹ شاہ خطاب ملا۔ لہذا  
 معاف فرمائیے کہ ماوس صاحب کا بھروسہ اس مقدس خرقہ کے خلاف ہے۔ بقول

گرچہ گرد آلوں فقرم شرم باد از ہم تم

گرماں پشہ خوشید رامن ترکم

ملکہ دارم از کلدا نے کنخ سلطانی ہست

کے طعن در گردش گردون رون پور کم

﴿اگرچہ میر اگر دا لود فقر باعث نداشت ہے اور اس وجہ سے بہت نہیں ہوتی کہ میں آنکھ کے پیشے سے اپنا دامن تر کروں۔ میں سلطانی خزانوں کا گدا گر ہوں تو پھر فخر دنیا کا لالج کیوں کروں﴾

بھائی صاحب نے جب یہ الفاظ دیکھی تو مجھوں ہو کروا پس گئے اور رات کو اسی نور باف نے میرے دعوت کی اور پھر یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ ہفتہ میں شاید دو روز فاقہ ہوتا ہو ورنہ پانچ روز ضرور دعوت ہونے لگی اور اس ویران مسجد میں رازق العباد نے میری پروردش کا یہ سامان کیا کہ لوگ میری حاشی میں آتے اور باصرار تمام اپنے نکان پر لے جاتے اور کھانا کھلاتے۔ بقول

### بے سمجھ ہرگز نمادِ محکوم

### رزق را روزی رسماں پر میدہد

﴿کلڑی مکھی سے کبھی خانی نہیں رہتی اس رازق حقیقی نے رزق کو پر لگادیے ہیں﴾  
لیکن جب سے میرا قیام مسجد میں ہوا اور پانچوں وقت اذان ہونے لگی اور وضو کیلئے پانی بھر دیا کرنا تھا اور خس و خاشاک سے صحن اور احاطہ بھی پاک ہو گیا تو بعض وقت وہ جو لا بے جو مسجد کے قریب رہت تھا آنے لگے۔ مگر میں نے یہ دش اختیار کی کہ بستی میں کسی سے ملنے نہیں چاہتا۔ بلکہ زیادہ وقت مسجد کی خدمت یا احاطہ کی درستی میں صرف کرتا۔ اگر بہت دل گھبراتا تو بیتل کی طرف سے چھاندے ہیں اور لطیف شاہ اور چنگڑا ہجر کے مزار پر گیا۔ یا حضرت شاہ ولایت کے آستانہ پر حاضر ہوا اور پھر اسی طرف سے مسجد میں واپس آیا اور شب کو جنوپی در کے سامنے سور ہتا تھا۔

اسی طرح سے جب پانچ ماہ سے زیادہ گذر گئے اور حضرت شاہ ولایت کے مرس کا زمانہ قریب آیا تو میں نے چھرا یوں سے خدا کے بھروسہ پر پیدل سفر کیا۔ بقول

### امتنم بر رزق را کن اے طاڑ قدس

### کے دراز است رہ مقصد و من تو سرم

﴿اے پاکیزہ پرندے بہت کو پناز اور ہنالے کیونکہ تیری منزل وہر بے اور تو سفر میں ہے﴾  
اور بعد قطع منازل ۲۱ شوال ۱۳۱۷ ہجری کو دیوبنی شریف پہنچا۔ پہلے آستانہ وارثی پر حاضر ہو کر قدہ بوس ہوا اور حسب دستور جناب حنفی وہی فرمایا کہ درگاہ میں قیام کرو۔ پونکہ واقف ہو چکا تھا اس لئے بغیر کسی کی رہنمائی کے میں درگاہ میں آیا اور شاہ فضل حسین صاحب سے

ملائے۔ شاہ صاحب نے بکمال شفقت مجھ کو مہمان کیا۔

چونکہ شاہ صاحب رئیس اور قطبہ کے نبیر دار تھے اور آہائی جائیدا وزیر امدادی آپ کے پیش میں تھی۔ اس لحاظ سے موصوف ذمی وجاہت اور سر بر آور دلخیس تھا اور یوں تو عموماً ہماریکے کام شاندار ہوتا تھا لیکن عرس حضرت شاہ ولادت صاحب ہبیش آپ نے بہت کشاورہ پیش کیا۔ جس میں باور پیجی خاتہ کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر ہوتا تھا۔ عماودا ان کے مہمانوں کے آستانہ وارثی کے بھی جملہ مہمان نا انتظام عرس انجیس کے مہمان ہوتے تھے۔ قطع نظر اس کے رفائل اور سبز وردی آزاد فقراء کی کثیر جماعت آتی تھی جس کے ہر فرد کو حسب دستور دوکھانے روز مرہ دیجئے جاتے تھے اور جملہ دوکانداروں کو کھانا ملتا تھا اور بطور تبرک بحقی کے تمام مسلمانوں کو سچھری تقسیم ہوتی تھی اور بعد پانچ روز کی مہمنانداری کے ۱۶ نارنگ کو جمندارے کی ایک تقریب ایسی معین ہے جس کا صرف بھی کم نہیں۔ ہر چند یہ جمندار انجیس آزاد فقراء کے لئے ہوتا ہے۔ مگر یہ دیکھا کر حسب مدارج ان کے حصوں کی تعداد بھی معین تھی۔ کسی کو وہ کسی کو پانچ کھانے دینے جاتے تھے۔ علی ہذا قوال بھی زیادہ آتے تھا اور ان کا بھی بجائے خروائیک معمول خرچ تھا۔

حالانکہ بلاہر شرکت عرس کے لئے حاضر ہوا تھا مگر مقصود میر اصرف حضرت وارثہ پاک کی زیارت تھی اور وہ نصیب ہوئی۔ بلکہ اس موقع پر بعض ایسے اخوان ملت سے بھی ملاقات ہو گئی جن سے پہلے نہیں ملا تھا اور یہ توروز دیکھتا تھا کہ بلا قید نہ ہب پر وانہ وار لوگ آتے تھے اور حلقة نمائی میں داخل ہوتے تھے اور انکی استعداد کے لحاظ سے ان کو ہدایت بھی ہوتی۔ اگر کسی کو پیشوائے برحق نے ذکرہ شغل کا کوئی تابعہ تعلیم فرمایا تو کسی کو حفظ اوقات کی ناکید ہوئی۔ کسی کو گوشہ نشین کیا، کوئی سیاحت عرب کے لئے بھیجا گیا لیکن محبت کی ہدایت ہر فرد کو ضرور ہوتی تھی۔

جب عرس کن ہوا تو حضور نے ٹھاٹھوں کو مجھے بھی رخصت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ ”میلہ میں آما“ میں دیوبنی شریف سے پھرایوں آیا اور بدستور سابق مسجد میں قیام کیا اور چھ ماہ کے بعد بفرض شرکت میلہ کا تک پھرایوں سے پیا وہ پا چل کر ۱۳۱۵ھ کو دیوبنی شریف حاضر ہوا۔

اس مرتبہ ایک کرشمہ یہ دیکھا کہ بعض حلقة گوش ایسے بھی آئے تھے جن کا ظاہری نہ ہب عیسوی تھا اور بعض یہ ہوئی بھی نظر آئے۔ بلکہ ایک آتش پرست مسمی دوسما بھائی بھی اسی زمانہ وارثی دیکھائی دیا لیکن اصولاً سب کا شرب چوں کر نہیں محبت تھا اسلئے بھی اتحاد میں کوئی تفریق نہ تھی۔ جس طرح مسلمان مختارہ جمال وارثی تھے اسی طرح ہندو،

بیسائی، یہودی، پارسی پروانہ صفت اس شمع بزمِ احمدیت پر ثابت ہوتے تھے۔ بقول:

مسلمان و ہندو و ترک و گجر  
ز خاک درست جملہ افر کھد  
پو کافور و حندل اتسا خاک پاگ  
چشم اندر آرد و سر کھد

(جب اس کے درپ پہنچ تو مسلمان اور بہت پرست بلا اشیا زناوڑے گئے اور مقام پا گئے جس اس مقدسی خاک سے کافور اور حندل خوشواختی ہے اور آنکھوں سے ہو گردنی میں اتر جاتی ہے۔) اور پہنچواٹے ہر حق کی عناصرت سب کے حال پر یکساں تھی۔ اس طبیب بالطفی نے جس کے مرغ کے مناسب جو نجف تجویز فرمایا۔ وہ اس کو تقویض ہوا۔ چنانچہ میرے حق میں ۱۸ اکتوبر کو سرکار عالم پناہ نے یا ارشاد فرمایا۔ ”تم پھر ایوں نہ جاؤ۔ بلکہ انا وہ میں جا کر دریا کے کنارے رہو۔ تمہارے پاس کسی کی ڈاک نہیں ہے۔“ میں نے وہستہ عرض کیا کہ علام کو گیاندر ہے جو حکم ہو۔ لیکن پھر مصلحت والی نے انا وہ کا قیام کسی وہب سے مناسب نہ جانا اور ۱۸ اکتوبر کو یہ فرمایا کہ مجھ کو رخصت کر دیا کر۔ ”تم پھر ایوں جاؤ۔ تمہارے باپ فقیر تھے۔ انھیں کی قبر پر رہو۔“

چنانچہ میں قد بوس ہو کر پھر ایوں واپس آیا اور پھر شوال ۱۳۱۵ ہجری میں پرستور حضرت شاہ ولایت کے عرس میں حاضر ہوا اور ۸ اشوال کو واپس آیا۔ بعدہ ۱۳۱۶ ہارپن العاشی میں ہجری کو میلہ کا نک میں جب حاضری ہوئی تو علاوہ دیگر مشاہدات کے چند ضروری ہدایات سے مستفیض فرمایا کہ حضور نے ۱۸ اکتوبر کو رخصت فرمایا۔

لیکن پھر ایوں آ کر ایک ضرورت حاضری کی پیش آئی اور خلاف پرستور ۲۵ جمادی الاول ۱۳۱۶ ہجری کو پھر ایوں سے بیویل روانہ ہوا اور شاہجہان پور میں آ کر علوم ہوا کہ سرکار عالم پناہ ہو ضلع بابو پور جملع سینتا پور میں رونق افروزیں۔ میں وہیں حاضر ہوا اور پانچ روز حضور نے وہاں قیام فرمایا۔ اسی روران میں ایک شب مجھ کو اپنی حالت پر افسوس ہوا اور وہ کمر مرض کرنے لگا۔

گدائے کوئے شامیم و حاجتے واریم  
رو اندو کے محروم از آستانہ واریم

(میں تمہارے درکا گدا ہوں اور حاجت مند بھی ہیسری مدد کرنا کہ میں مایوس نہ ہوں) صحیح کوقد بوسی کیلئے حاضر ہوا تو فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ عرض کیا کہ حضور کا مام پاگ

ور میں ہے۔ ارشاد ہوا کہ آج سے یہ ذکر کیا کرو جو تم بتاتے ہیں اور اس کا تابع ہو، معہ شست وغیرہ کے تعلیم فرمایا۔

بایو پور سے جناب حضور موضع کبر میں با ارشاد حسین خان صاحب تعلقدار کے کان پر تشریف لائے۔ میں بھی ہمراہ رکاب تھا اور بھائی نعمت علی شاہ اور بھائی احمد شاہ بھی اس سفر میں ساتھ تھے۔ ووپیر کے وقت سرکار عالم پناہ نے بھائی احمد شاہ سے فرمایا "تم وار جنگ میں جا کر جنگل میں رہو اور مجھ سے یہ ارشاد ہوا۔" تم نیپال کے پیاز پر جاؤ ہاں تمہارے اور بھائی بھی ملیں گے اور راجہ کے یہاں سے تمہارے پاس وال اور چاول آئیں گے اور پھر کے اوپر پھر رکھ کر عارضی کمر بنالیما۔"

یہ حکم پا کر ہم دونوں قدموں ہو کر رخصت ہوئے۔ ہنوز بھتی سے قبر بیا و فرلانگ باہر گئے ہوں گے کہ ایک شخص روزتا ہوا آیا اور کہا کہ حضور یا فرماتے ہیں۔ یہ فرمان مراجعت پہنچا تو واپس آئے۔ ارشاد ہوا "کھانا کھا چکے ہو یا نہیں" عرض کیا کہ ابھی نہیں فرمایا۔ "کھانا کھا لو۔" ہم دونوں کھانا کھا کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت ارشاد ہوا کہ "کل جامانہ ہرو۔"

صحیح کونور محمد شاہ خادم خاص نے چھروپیا اور ایک تھان سفید میں سکھ کا مجھ کو دیا۔ میں نے پوچھا یہ کس واسطے ہے تو انہوں نے کہا کہ میں کیا جانوں جا کر سرکار سے دریافت کرو۔ میں اسی وقت حاضر خدمت ہوا اور کونور محمد شاہ کا عظیمہ جناب والا کے حضور میں رکھ دیا۔ سرکار عالم پناہ پہنچ گئے اور فرمایا "کیا ہے؟" میں نے عرض کیا۔ "یہ چیزیں کیوں مرحمت ہوئی ہیں؟" ارشاد ہوا "یہ سچھرا یوں تک کا کرایہ ہے۔" عرض کیا کہ کراچی چھروپیا اور چھپیس ہے۔ "آپ نے خادم سے فرمایا "چھ پیسے اور دو اور یہ سفید کپڑا ان کو نہیں دلو یا تھا۔" مگر تین تہینہ دو، خادم نے جب چھ پیسے اور تین تہینہ بھی مجھ کو دیا تو فرمایا کہ "تم سچھرا یوں جاؤ اور کہیں نہ جانا۔" وہیں رہنا۔ تمہارے باپ فقیر تھے اگر کبھی دل چاہے تو کسی فقیر سے مل آیا کرو یا کسی عرس میں چلے جائیا کرو۔" اسی عرصہ میں بھائی احمد شاہ حاضر ہوئے۔ ان کو وہی حکم ہوا کہ وار جنگ جاؤ اور ہم دونوں کو رخصت فرمایا۔

جس وقت میں قدموں ہوا تو فرمایا کہ "تیلی بھیت ہو کر جانا" اور بھائی احمد شاہ سے ارشاد ہوا کہ تم لکھنوار کر جانا۔ "چنانچہ ہم ریلوے شیشن تک پہنچا رہے تو "علوم ہوا کر لکھنوار جانے کی گاڑی پہلے جائے گی تو بھائی احمد شاہ صاحب اس پر سوار ہو گئے اور مجھے رات کی گاڑی ملی اور

صحح کوہلی بھیت پہنچا۔ مگر شب سے یہ خیال تھا کہ مشاہدہ پہلی بھیت کا حکم اس لئے صادر فرمایا ہے کہ میاں محمد شیر صاحب سے بھی ملتا جاؤں۔ اس واسطے پہلے میاں صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور قریب ایک مسجد تھی اسی میں ٹھہرا جس کے تجریہ میں ایک درویش رہت تھا ان سے حلوم ہوا کہ ان کو والد ماجد علیہ الرحمۃ نے یہاں بھیجا تھا۔ اس حالت سے انہوں نے بہت عنایت کی اور بطور نصیحت اکثر اپنا تفہ معنوی بیان کئے اور یہ بھی کہا کہ تم کو جتنا بہت حاجتی صاحب قبلہ نے میرے واسطے یہاں بھیجا ہے۔

دوسرے روز پہلی بھیت سے بریلی اور وہاں سے چھڑا یوں آیا تو حلوم ہوا کہ اپنے بیو بھائی تطبیع عالم صاحب سے والد مرحوم نے عالم رویا میں یہ فرمایا کہ بد رالدین سے کہہ دوہما را عرس کیا کرے اور اسی مضمون کا خواب والد ماجد کی ایک مریضہ نے بھی دیکھا ہے۔ اس مکر بذایت سے مجھ کو خیال ہوا کہ باوجود یہ کہ میری متوكلا نہ جنیت بظاہر اس بار کی متحمل نہیں لیکن حسب ارشاد اگر عرس نہ کروں گا تو والد کی ماخوذی کا باعث ہو گا۔ اس لئے بقدر ایکان کوشش کروں اگر خدا کو منکور ہو گا تو غائب سے سامان ہو جائے گا۔ بقول

### ع خدا خود سرمان است ارباب توکل را

﴿الله تعالیٰ توکل کرنے والوں کو خوب سب کچھ پہنچاتا ہے﴾

چنانچہ تاریخ عرس سے قبل ہی مالک حقیقی نے استدر سلامان کر دیا کہ «ذبیع الدین» ۱۳۱۶ ہجری کوئی نے والد ماجد کا پہلا عرس کیا۔ ہر چند جملہ مراسم چھوٹے پیمانہ پر ہوئے مگر اعزما اور احباب کا اجتماع کافی ہو گیا اور قوامی کامساں ایسا دلچسپ ہوا کہ بعد قتل کے سب نے پہ اصرار کیا کہ اب یہ عرس بیٹھ ہو کرے۔ چنانچہ میں نے بھی اقرار کر دیا کہ انشا اللہ ضرور کوشش کروں گا اور پیشوا یہ برق کا افضل حال بتوی یہ عرس ہوا کرے گا۔

اس عرس کے بعد سے یہ غیر آباد مسجد بھی اس قدر آباد ہو گئی کہ اکثر نمازی بھی آئے لگے اور بعض احباب میری ملاتات کو بھی تحریف لاتے تھے لیکن اس مرتبہ کی حاضری میں چونکہ سرکار عالم پناہ نے سیروسیاحت کی اجازت مجھ کو مرحمت فرمائی تھی اس لئے اکثر پرگان طریقت کے اعراں میں شریک ہوا اور حضرات مشاہیر اہل تصوف کی خدمت میں بھی اس فرض سے حاضر ہوتا تھا کہ یہ شعار ہیں۔ ان کا مشاہدہ ہاوا واسطہ جامع المسخر قین کا مشاہدہ ہے بقول

مراد ما ز تماشائے باش عالم پیخت

ہدست مردم چشم از رخ توکل چیدن

﴿وَنِيَّا کے بائی کی سیر سے میر اصراف یہی مقصد ہے کہ میں لوگوں کی آنکھوں کے ذریعے تیرے  
چڑے کے پھول چنوں۔﴾

چنانچہ اسی خیال سے ایک مرتبہ پنجاب کا سفر کیا اور سائیں توکل شاہ صاحب سے  
ملنے انداز گیا۔ کمل وغیرہ سرانے میں رکھ کر درودات پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک خادم دروازہ پر  
ستھین ہے۔ دریافت کرنے سے میں علوم ہوا کہ سائیں صاحب کا مزان نہ ساز ہے۔ اس وقت  
مالاتا نہ ہو گئی۔ میں نے کہا کہ دوسرے آیا ہوں صرف اطلاع ہی کرو مگر جب خادم نے اطلاع  
بھی رکھی تو مجبوراً واپس آ رہا تھا کہ بازار میں ایک صاحب نے پکارا جو کسی دکان پر بیٹھے ہوئے  
تھے۔ میں ان کے قریب گیا تو ”شامت اعمال ماصورت“ اور ”گفت“ کا مضمون پڑھ آیا کہ اس  
قد رغبہ و غصب سے وہ معمور تھے کہ با جو وحدم واقفیت کے نکار و بد شعار وغیرہ کے خطاہات  
مرحمت فرمائے اور بار بار میری بد کرواری کا انکھار کرنے لگے۔ مجبہ کو تجربہ ہوئی کہ سر بازار یہ  
مسافر نوازی کیوں ہو رہی ہے مگر سکوت و خاموشی کے ساتھ ان کی مانگاں براواشت با تین اور  
بدترین الزامات مختار ہا بقول:

### وَفَا كُشْمٌ وَ مَامِتٌ كُشْمٌ وَ خُوشٌ باشِمٌ کے در طریقتِ ما کفریتِ رنجیدن

﴿میں وفا کرتا ہوں مامت لیتا اور خوش رہتا ہوں کیونکہ میری طریقت میں معموم رہنا کفر ہے۔﴾  
لیکن شاید میری ہی وجہ سے جب میرے گروہ کے بعض افراد کی ثابت لیقیل وغیرہ  
الخالہ اس تعالیٰ کے اور خود ساختہ اتهام دے کر ان کے انعام و اقوال کی بے جا نگاہ چینی کرنے  
لگے تو یہ اتفاق ہے بشرط اس خیال سے طبیعت کو لا گوارہ ہوا کہ بقول:

أَرْ مِنْ آلُودَهْ دَامِمْ چَهْ جَبْ  
هَمْ نَالِمْ گَواهْ عَصْمَتْ أَوْسْتْ

﴿اگر میرا دامن آلوہ ہے تو اس میں تجہب کی کوئی بات نہیں لیکن ان کی عصمت کی گواہی تو سارا  
عالم دیتا ہے۔﴾

ہر چند میں اسی لائق ہوں اور میرے حق میں جو کچھ ان کا خیال ہے وہ ہجاءے خود صحیح  
ہو گا۔ مگر افسوس میرے مذہوم خسال کی بدھلات آج انخوان ملت بھی بدھ ملامت ہو رہے ہیں  
اور اس خدا کے بندے کو تعصیب کے جوش میں دکھائی نہیں دیتا کہ فقر اے تہبید پیش کو تہتمم کرنا ہے  
لیکن عرصہ تک وہ آشنا شفیق نہ طعن و نہنیع سے بازا رئے اور نہ ان کے تراشیدہ مظاہر میں کا طولانی

سلسلہ حتم ہوا۔

جب ان کی زبان درازی حد سے گزر گئی تو دنیا ملک رکان کو خدا آ گیا اور میرے  
مہربان ناس کو اسی طریق سے جواب دیا اور انھیں لفظوں سے ان کی خدمت کی جو میری نسبت وہ  
استعمال کر رہے تھے اس وقت وہ بھوش میں آئے اور خاموش ہو کر پندوں تجھت موقوف کی اور  
بالآخر انہوں کو چلے گئے۔

دکاندار نے مجھ سے پوچھا کہ میاں صاحب آپ کا کان کہاں بیٹھا اور یہاں کس  
لئے آ ہوا؟ میں نے کہا: ”بھائی! اخلاقِ مرا آتا دکار ہے والا ہوں اور سائیں تو کل شاہ صاحب  
سے ملنے آیا تھا۔ جب سائیں صاحب کا مام سنا تو اس کو اور محبت ہوئی اور نہایت شفقت سے کہا  
کہ میں بھی ان کا مرید ہوں لہذا آج آپ کی دعوت ہے۔ چوں کرو گوت سے انکار کرنا میرے  
شرب کے خلاف تھا اس لئے شب کو اس مسافرنوواز کے یہاں لکھا کھایا اور سرانے میں آ کر  
سوار ہا۔

صحح کو شہر کے مشہور مقامات دیکھئے اور ہادیان طریقت کے مزارات پر حاضر ہوا اور  
دوپہر کو آ کر سرانے میں سور ہاتھا کے ایک صاحب نے جگایا اور کہا سائیں صاحب آپ کو بالاتے  
ہیں۔ چوں کہ میں حاضر ہو چکا تھا اور دربان نے غیرِ مانوس شخص دیکھ کر اخلاق بھی نہیں کی تھی اس  
وجہ سے بے اختیار زبان سے نکل گیا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف سائیں صاحب کا اشتیاق  
زیارتِ مخدوں کو یہاں لایا تھا اور پہلا کام بھی یہی کیا کہ ان کے در دعوت پر حاضر ہوا لیکن دیکھا کہ  
باپِ امید مدد و دہے اور پہرہ دار بھی اس قدر تمیز و ارتقا کے محترم کہنے سے بھی اس نے اخلاق نہ  
کی۔ اس کے عدم اتفاقات سے پوچھا ہوا کہ سائیں صاحب کو مجھ سے دنیا سے ملا مختور نہیں۔  
اسلئے سمجھتا ہوں کہ اب جانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو انکار کا بھی موقع نہ تھا۔ مجہوراً ان کے اصرار  
چاہا۔ راستہ میں ایک مسجد کے قریب جا کر انہوں نے کہا کہ سائیں صاحب کے مرید تاری  
عبد الرحمن صاحب اپیسا اس میں رہتے ہیں اور ان کو بھی آپ سے ملنے کا شوق ہے۔ اگر مفہوم کہ  
نہ ہو تو ان سے ملاقات کر لیجئے۔ میں نے بخوبی مختور کیا اور مسجد میں جا کر تاری صاحب سے  
صاحبِ سلامت کی تو موصوف کھڑے ہو گئے اور معافانہ کے بعد مجھے سرنا پاٹوں کر فرمایا جتاب  
 حاجی صاحب کا لباس بھی ہے۔ میں نے کہا: تھی ہاں! میرے پیشوا نے برقی ہمیشہ رنگیں احرام  
زیب تن فرماتے ہیں۔ تاری صاحب نے کہا مجھے مدت سے حاجی صاحب کی زیارت کا شوق

تھا۔ الحمد للہ کہ آج میری وہ دری یہ آرزو یوں پوری ہوئی کہ تم سے ملتا تھا ہو گئی۔ جس کو میں سمجھتا ہوں کہ حاجی صاحب قبلہ کی زیارت فتحیب ہوئی۔ مصدق اقی ”نشانی اس کی چحلہ ہے جو چھلے کی نشانی ہے“ اب تم سائیں صاحب کے پاس جاؤ وہ دریافت فرمائے ہے ہیں۔

نادری صاحب سے رخصت ہو کر جب سائیں صاحب کے نکان پر آیا تو دیکھا کہ موصوف ایک ساتھاں میں آنکھیں بند کیے ہیں اور پائیں میں ایک مرید آپ کا مراقب ہے۔ چند ساعت میں کھڑا رہا اور یہ خیال ہوا کہ اگر سرکار عالم پناہ کی طرح سے با تھہڑہ حاکم گئے تو دست بوس ہوں گا ورنہ سلام کر کے بیٹھ جاؤں گا۔ اسی عرصہ میں سائیں صاحب نے آنکھ کھوئی، میں نے سلام کیا۔ محمد وح نے سر سے پاؤں تک مجھ کو لایا میرے بس کو روکیج کر دیشم نعم فرمائی اور میری جانب شفقت آمیز طریقہ سے با تھہڑہ حالا۔ میں نے حسب رادہ باتھوں کو بوس دیا اور سامنے بیٹھ گیا۔ سائیں صاحب نے پر جوش لجھ میں فرمایا کہ رسول کریم ﷺ اور حاجی صاحب واپسی ساٹے سال آؤدا ہے۔ پھر ایک آہ سمجھ کر مجھ سے پوچھا کہ تم کو کس نے بھیجا ہے؟ مرض کیا۔ ”خدا نے“ پھر فرمایا۔ ”کیونکہ آئے؟“ میں نے کہا۔ ”ریل پر“ پھر اس تاوہ ہوا کہ کہاں قیام کیا؟ میں نے کہا۔ ”آپ کے بیہاں“ بعدہ اپنے ایک خلیفہ سے یہ حکم دیا کہ جاہاں کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ وہ خلیفہ صاحب مجھ کو بہر لائے اور اپنے اہم اہم کھانا کھلایا۔ بعد فراغت میں پھر حاضر ہوا تو فرمایا کہ تم آج ہی سرہند شریف پلے جاؤ۔ میں سلام کر کے سڑائے میں آیا اور اپنا کمبل لے کر شام کی گاڑی سے سرہند شریف روانہ ہوا۔

اتفاق سے وہی زمانہ عرس کا تھا۔ دو دوسرے زائرین آئے تھے اور انھر پاہر وقت قرآن خوانی ہوتی تھی۔ بعض درویشوں بھی سے ملتا تھا ہوئی اور بعد انتظام عرس میں لاہور چاہ آیا اور مخدوم الملک حضرت والاتا گنج بخش قدس اللہ سرہ العزیز کے مزار پر انور کی زیارت سے مشرف ہوا اور چند روز خانقاہ اقدس میں قیام کیا۔ شہر کے آثار قدیمہ بھی دیکھے اور وہ مگر مزارات پر بھی حاضر ہوا بلکہ راجہ رنجیت سنگھ کی منڈھی (مریضی) پر بھی گیا۔

لاہور سے امرتسر آیا اور بار صاحب بیٹھنی گرفناک شاہ کے استھان پر گیا۔ پھر سہار پور میں بعض مزارات کی زیارت کی اور بعدہ ہر رواں آیا اور اندر جا کر گنگا کے کنارے ہیچھے گیا۔ ایک سارو ہو نے پوچھا کہ تم کون رووا ہو۔ میں نے کہا روہب ہاچھوڑی ہے۔ قب اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا تم نہیں دیکھتے کہ میں آدمی ہوں؟ اس نے کہا ”مسلمان ہو یا ہندو؟“ میں نے کہا ”دونوں سے طیبہ۔“ غرض وہ غریب تو چاہیا مگر اور چند سارو ہو مجتمع ہو کر

آئے جن میں سے ایک ایسے بھی تھے جو مہدہ بھی چھوڑ کر فقیر ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کس کے دیکھنے والے ہیں؟ میں نے کہا: ”جو آنکھ کے سامنے آتا ہے جس کو دیکھتا ہوں۔“ اس پر وہ مسکرائے اور کہا۔ مطلب میرا یہ ہے کہ آپ کس سلسلہ میں ہیں؟ میں نے کہا کہ عشق کے سلسلہ میں ہوں۔ تب انہوں نے کہا کہ میں آپ سے حلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کس کے مرید ہیں؟ میں نے کہا: ”وارثی ہوں۔“ سادھو جی نے متوجہ ہو کر کہا کہ وارثی تو کوئی خاندان نہیں۔ میں نے تھوڑی صراحت کے بعد یہ سمجھا دیا کہ اصل سلاسل سلسلہ وارثیہ ہے اور سادھو صاحب نے بھی اس کو مان لیا اور پھر سب سادھو یہی وسیع ہو گئے کہ تمام دن ان کے ساتھ وہاں کی سیر کرتا رہا۔

بعدہ ہر روز اسے رکھی کیش گیا۔ وہاں بھی اکثر ایسے فقرائے ہندے سے ملا تا اسے ہوئی جو اپنے طریقے سے باخڑ اور درحقیقت سادھو تھے۔ مگر تھی محبت کا ایسا گھاٹ کوئی نہیں دیکھا جو مساواتے شاہِ مطلق دارین کے مقابو خضر سے بے سرو گاہ رہو۔

**دیکھے پخت، سادھو، جوگی، خست، ساد، ملک**

**پر یم کا بھلکی ایک نہ پلہ اوگت چار الگ**

پھر رکھی کیش سے جوالا پورا اور لکھل جوتا جو ایسیں زمانہ عرس میں بیرون کیہا تھا۔ پہنچا۔ خلقت کا تھوم تھا۔ جس میں درویش بھی ہزاروں تھے۔ چنانچہ بعض ملکتم فقراء سے بھی ملا تا اسے ہوئی لیکن والد مر جوم کفر فرمایا کرتے تھے کہ چھنگاٹا ہا اور میران شاہ اور ہجعفر شاہ ہمارے ملنے والے ہیں اور درحقیقت وہ فقیر ہیں۔ یا رشاو مجھ کو یاد تھا اور ان کو تلاش کرنا تھا۔ مگر باہر جو دن جتو کے دو روز تک ان حضرات کی زیارت نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک شاہ صاحب نے بر سینیل تذکرہ ہجعفر شاہ کی تعریف کی تو میں نے پوچھا کہ وہ کہاں قیام پڑی ہیں کہا کہ احاطہ کے باہر بلند دروازہ کے قریب ملیں گے۔ میں نے وہاں جا کر تلاش کیا تو دیکھا کہ ایک درویش دہونی رمائے، بیوریا بچھائے پیٹھے ہیں۔ میں نے شرف نیاز حاصل کیا تو بخاطب ہو کر فرمایا کہ آ تو تم ٹھس الدین کے پیٹھے ہو، وہ ہمارا یار تھا۔ اب ایسے فقیر نہیں ملتے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ تم فقیر حاجی صاحب کے ہو۔ میں نے کہا: ”تی بانی“ فرمایا کہ اس وقت ہندوستان میں وہ آفتاب ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ میران شاہ سے بھی ملے؟ میں نے عرض کیا۔ ”ابھی نہیں۔“ فرمایا: ”اچھا لٹھرہ وہ اور ایک چلم میں چرس بھرو اکر منکانی اور مجھ سے کہا کہ دم لگاؤ۔“ میں نے انکار کیا۔ مگر شاہ صاحب نے جب اصرار کیا تو میں نے عرض کیا کہ اسی صورت میں آ کر فرمائیں جس کو میں نے پہچاہا ہے۔

تو پی لوں گا۔ یہ کن کروہ تھے اور فرمایا تم ضرور تھس الدین کے بینے ہو۔ اچھا جاؤ۔ وہ میران شاہ بیٹھے ہیں۔ ان کے اشارہ کے مطابق وہاں گیا تو یہ دیکھا کہ ایک صاحب ہنگامی کرتے اور چار گلی کی ٹھنڈی توپی پہنے اور ہنگامی لفگی باندھے۔ ڈازھی چڑھائے اس طرح بستر پر ٹھکن ہیں کہ کسی کو فقیر ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ میں نے زیارت ادب سے سلام کیا تو بکمال جوش بھت جواب سلام دیا اور میری حالت پوچھ کر فرمایا کہ تھس الدین نے جس روز یہ غزل لکھی تھی۔ ”کہوں کیا رب اعلیٰ عالم الدین صاحب کا“ اس روز ہم نہیں تھے۔ فینماں حضرت صاحب سے وہ فقیر ہوئے ورنہ مشائخ تھے۔ پھر ریاضت و مجاہدات کا ذکر آتا تو اس سلسلہ میں فرمایا کہ ذاگروہ شاہ نل ہوا بھی خدا شناسی کیلئے بہترین طریق ہے جو مسافر را طلب کا رفیق ہوتا ہے۔ مگر اے عزیز فقیر اور حیز ہے جس کی یافت ریاضت و مجاہدات پر موقوف نہیں۔ بلکہ اس کا حصول عنایت وہی اور اشارت پیشو اپر محمول ہے۔ تم کو کیا سمجھاؤ۔ تم فقیر کے بینے اور ایسے لانا نی فقیر کے دست گرفتہ ہو۔ دنیا میں جس کا مثال وظیفہ نہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد فرمایا کہ جاؤ چھنگا شاہ سے بھی مل آؤ۔ وہ بھی تمہارے باپ کے بارہیں۔ اندر اوضاع تھیں بیٹھے ہیں۔

میں تاثر کر کے چھنگا شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ میرا تھا اس لئے ہماواز بلند سلام کیا۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا۔ او گفت شاہ۔ پوچھا کہاں کے رہے والے ہو؟ میں نے کہا پھر ایوس کا فرمایا۔ تھس الدین کو جانتے ہو۔ عرض کیا۔ ”انھیں کا بدنا مکنندہ بیٹا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ مرید کس کے ہو؟ میں نے سرکار عالم پناہ کا نام مانی لیا تو فرمایا ہم تو ہر اپلا۔ اول تو سید، دوسرے فقیر ایسے کہ آج ان کے سوا کوئی فقیر نہیں۔“ قول

**امروز شاہ انجم میران یکیست**

**دیر اگر ہزار بود دیر آن یکیست**

”آج رونت مغلل میراں بس ایک ہی ہے۔ مغلل میں اگر دیر ہزاروں ہیں تو کیا ہوا سب کا میر نہ تھا ایک ہی ہے۔“

اسی وہران میں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو شیریئی لاوں۔ فرمایا۔ ”اچھا مگر حق بھی لاما۔“ میں فوراً لذ و اور ایک حکم لایا اور سامنے پیش کیا تو حرف ایک لذ و رکھ لایا اور باتی تقسیم کر دیئے۔ بعدہ اس لذ و کے رو حصہ کیے ایک مجھ کو دیا اور ایک خود کھالیا اور عرصہ تک صحیح فرمایا کہ مجھ کو خصت کیا اور بعد تھم عرس میں پھر ایوس واپس آیا۔ الغرض یہ سفر لظاہر و لچپ بھی اور بالمعنی مفید بھی تھا۔ لچپ اس لحاظ سے کہ مختلف شہروں کے قدیم آثار دیکھ کر شاہان سلف کی

خدا و ادشونکت و صولت کی یاددازہ ہوئی اور اسی کے ساتھ جب ان کے مقام پر نظر سے گزرے تو عبرت ہوئی اور دنیا کی بے شہقی کامیقح سانے آگیا۔ علاوہ اس کے ہر مقام پر مختلف قوام کے باشندوں کے اخلاق و عادات سے واقف ہوا۔ جنگل کے قدرتی سبزہ زار کی بہار دیکھی۔ پہاڑوں کی خوشنگواری ہوئے بحث کو فائدہ پہنچا لیکن یہ مفاہوم نہیں ہیں۔ حقیقی مراد میری یہ تھی بلکہ سیاحت کی اصل غایت جس کو نہ ہی سعادت اور شرمنی افادت کہنا چاہئے۔ الحمد لله وہ بھی نصیب ہوئی کہ مفتادیاں طریقت کے مقدس آستانوں پر حاضر ہوا۔ اگر ان کے مزارات کے خوش و در کاٹ سے مستفیض ہوئے تو کسر ما پیا زکیوں تو بے جانہ ہو گا۔

مزید رہ آس موجودہ حضرات مشائخین کے مراعات محتوی سے میرے خیالات کو تقویت ہوئی۔ فقرائے ذی مرتبت کے فیضان صحبت سے تو وہ دولت لا زوال حاصل ہوئی جس کا اندازہ بھی کرنا محال ہے۔ قول حضرت نولان:

### یک زمانہ صحبت با اولیاء بمفتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

﴿وَلَيْوَنَ كَيْ مُحْبَتْ مِنْ بَرْكَيْ ہوَنَیْ اِيكْ سَاعَتْ سَوْ سَالَهْ بَے رِیَا عِبَادَتْ سَے بَهْتَرَ ہے۔﴾  
تلی ہذا بعض فقرائے ہند کا ویران پہاڑوں اور سنسان جنگلوں میں باوجودو بے سر و سامان ہونے کے خوش و خرم رہنا اور بکمال صبر و استقلالی زادمانہ زندگی بسر کرنا ایک ایسا انتارہ تھا جس سے نواز فقیر قیامت و استیامت کا معقول سبق لے سکتا ہے۔

لیکن قطع نظر ان تمام خوبیوں کے اس سفر سے تخصیص فائدہ مجھ کو یہ ہوا کہ پیشوائے برحق کے مراتب علیا کی جب تماں الٰی اللہ نے صریح الفاظ میں تصدیق فرمائی تو میرا پوچھیا اور مظبوط و پختہ ہو گیا کہ تکمیل فقر کے شہنشاہ اور اسرار عشق سے آگاہ ہر فر ہمارے سرکار عالم پناہ ہیں۔ اسلئے کہ میری نگاہ میں وہ درویش جو تینی الٰی بالی اور خدار سیدہ تھے۔ سب نے یہی زبان حضور کی عظمت و شان کا اقرار کیا اور جس کے سامنے ہاری کامل کام لیا۔ اس نے مرغوب ہو کر سرتلیم شم کیا اور اس وقت ان کے قیافہ سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ یہ خدا شناس را فخر میں ہمارے وارث پاک کے دست نگر ہیں بلکہ اکثر مجاہد ہے۔ نے صرف میرے لباس کی وجہ سے ایسی تحریم کی جس کے لائق میں ہرگز نہ تھا اور ان کا بخز و انکسار زبان حال سے کہتا تھا کہ بارگاہ وارثی کے یہ فرمائہ روا رہیں۔

مگر جس طرح یہ سفر میرے حق میں مبارک و میمون ہوا۔ اسی طرح بعد مراجعت پر

تازہ جنون روز افزوں ترقی کرنے لگا اور قدر تباہی تحریک دل میں پیدا ہوئی کہ شبانہ روز کی روزی اب ناتامل برداشت ہے۔ کسی طریق سے جلد از جلد بلکہ روز مرہ بارگاہ حبیب کی آستانہ بوسی فصیب ہو۔ اسی خیال سے بجائے سکون، قلب کو اضطرار اور بجائے الہمیان ایسا اختصار رہنے لگا کہ ہر چند مسجد کی خدمت بدستور کرتا تھا۔ مگر غمِ مہوری سے ہب زیادہ رنجور ہونا، زار زار رہنا اور تصور میں اپنے آنائے مادر سے عرض کرنا۔ بقول

یاران ہمسیں بھے ازہم جدا شدند  
ما نجم آستانہ دولت پناہ تو

﴿میرے ہمسیں رہتے بھی مجھے جدا ہو گئے میرے لئے صرف آپ کا آستانہ ہی پناہ ہے۔﴾  
بندہ نواز ای دو رفتارہ نلام تیری جدائی میں مبتلا ہے رُنگِ وَالام ہے۔ شبِ فراق کی تہائی کیونکر نہ شاق ہو۔ ”نہ موئے نہ شفیع نہ ہم سے دارم“ اس بارہ سیدہ نوگرفتارِ دامِ محبت کو تیری عنایت درکار ہے۔ بقول

میوزم از فرات رو از جغا ہروان  
ہجران بلاعے ماش یارب بلا گبروان

﴿میں جدائی کی آگ میں جلتا ہوں جغا چھوڑ دے۔ یا اللہ یا ہجر بری بلا ہے اس سے چھڑا لے۔﴾

مگر دشواری یقینی کہ اوہ تو شوقِ زیارت میں دل بے چین اوہر میری حاضری کیلئے حسب فرمان وارثی زمانہ عرس شوالِ متعین جس کوئی صینے باقی تھے اسلئے بصداقت ”نہ پائے رفقن نہ جائے ماندن“ کا مضمون تھا بقول:

اضطرابم نہ گزارو کہ نشیم جائے  
انتظارت نہ گزارو کہ زجا بہیزم

﴿بے چینی مجھے ایک جگہ کر جلھنے نہیں دیتی اور تیر انتظار مجھے اپنی جگہ سے اٹھنے نہیں دیتا۔﴾  
لیکن کار ساز حقیقی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اسی عرصہ میں جناب شاہ فضل حسین صاحب کا والامامہ آیا جس میں موصوف تھریر فرمایا تھا کہ:

تازہ شوای دل پُرمردہ کہ چوں آب حیات  
بھر جو دیست کہ موئے تو روان می آیہ

﴿اے اندر دل تازہ ہو جا جس طرح آب حیات تازہ دم کرتا ہے کیونکہ قیوض و برکات کا

سمندر تیری طرف پل پر اے ہے۔

سرکار عالم پناہ مقام دھرم پور نواب عبدالملکور خان صاحب کے کان پر تشریف لے جائیں گے۔ مناسب حلوم ہوتا ہے کہ تم بھی وہیں حاضر ہو کر سعادت قدیمی حاصل کرو۔

شاہ صاحب مددوچ کی بداشت کے بھوپل تاریخ میونہ سے دو روز پہلے مراد آباد آیا اور پھر چندوی ہو کر اشیش کیسر پر حضور کی آمد کا منتظر رہا۔ حتیٰ کہ وقت مقرر ہو پر جناب والا تشریف لائے اور علاوہ نور محمد شاہ و نیفشو شاہ خدام خاص کے ٹھاکر پنجم نگھے صاحب وارثی رئیس ملائی خلع میں پوری بھی ہمراہ رکاب تھا اور اسی وقت علی گڑھ سے جو گازی آئی اسی سے باہو کھیال ال صاحب وکیل ہن کو بعد میں نلام وارث کا خطاب نصیب ہوا اور اب ترست کیمی مقتدرہ شریف کے سکریٹری ہیں اترے اور اسی سے مخصوص شاہ صاحب وارثی ہن کا قیام دلی میں زیادہ رہتا تھا آئے۔

قریب اشیش نواب صاحب نے خدم استادہ کرایا تھا۔ اس میں جناب حضرت نے تھوڑی دری کے واسطے اصرحت فرمائی اور یکے بعد دیگرے خلامان وارثی قدیم ہوئے جب مخصوص شاہ حاضر ہوئے تو فرمایا: ”تم کیوں آئے“ مخصوص شاہ نے عرض کیا کہ دلی چارباقھا شوق قدیمی میں اتر گیا ہوں۔ حکم ہوا ”تم ابھی چلے جاؤ“۔ اس حکم حقیقی سے بھائی مخصوص شاہ بجا بھڑکنے والے کے سرو رو مجنوون ہو کر خیم سے باہر آئے اور مکین ہو کر روانگی کا سامان کرنے لگے۔ ان کی اس حالت سے صاف ظاہر تھا کہ دستور محبت یہی ہے کہ طالب شوق دیجے میں پرواہ حاضر ہو اور جب مغل مطلوب سے بہرا رسائی نکالا جائے تو لازم ہے کہ اپنی اس ظاہری ذلت کو بھی یعنی عزت سمجھے قول حضرت جانی علیہ الرحمۃ

خوش آن روزے کے حقیقی باحر یقان چون مراد بیدی

کر این مسکین کوئے ماجھا بسیار مکروہ

و اس دن بڑی خوشی ہوئی جب اس نے مرے ہر یوں سے کہا کہ یہ مسکین اکثر میرے کوچے میں کیوں گھومتا رہتا ہے۔

لیکن اس وقت چوں کہ کوئی گازی نہیں جاتی۔ اس لحاظ سے نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور مجبوری یہ ہے کہ اب گازی انھیں شب کو ملے گی۔ سرکار نے یہ غذر منتظر فرمایا اور ارشاد ہوا ”اچھا رات کو چلے جاویں“۔

نواب صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم بھی قدیمی کر آؤ۔ شاید انھیں کے ساتھ تم کو بھی

جانا پڑے۔ چنانچہ میں جب قدیم بوس ہوا تو فرمایا: "کون ہے؟" عرض کیا۔ "اوگھٹ شاہ" ارشاد ہوا: "تم پھر ایوں میں اپنے باپ کی قبر پر رستے ہو؟" میں نے عرض کیا: "جی ہاں! پھر ایوں یہاں سے قریب ہے۔" فرمایا: "تو یہ تمہارا علاقوں ہے۔ اچھا لہرو۔" بعد فتح تان سرکار عالم پناہ پاگی میں سوار ہوئے اور جلو میں خلاموں کا ہجوم اٹھش کیسے غالب پور چلا۔  
بقول

ہوم گشت چو آن ما زنین سوار شود  
ہزار خسته دش خاک رہ گزار شود

جب اس ما زنین نے سوار ہونے کا ارادہ کیا تو ہزاروں خشدل اس کے راستے کی دھول بن گئے۔

موضع غالب پر قصہ ڈیائی سے قریب تھا اور نواب صاحب نے اس کا شکور گن نام رکھا تھا اور یہیں سکونت کا خیال تھا۔ اسلئے یہاں عالیشان کوٹھی قبیل کرائی تھی لیکن ایک چھت اس کی بیچھے گرا کر تی تھی۔ اس وجہ سے بعض کا خیال تھا کہ اس میں کسی جن کا گذر ہے اور وہی بیش چھت گرا دیتا ہے۔

چنانچہ نواب صاحب پہلے سرکار کو اسی نوچی کوٹھی میں لائے اور مقصودیہ تھا کہ دھرم پور لے جائیں گے کیونکہ وہیں دعوت کا انتظام کیا تھا۔ مگر جناب والا نے ترش رو ہو کر فرمایا: "اب ہم یہیں رہیں گے۔" خدام نے عذر کیا اور اس حکم میں ترمیم پاہی تو حضور نے ان کو نظر گرم سے دیکھا اور مکر فرمایا کہ "یہیں اب یہیں رہیں گے۔" اس وقت نواب صاحب بہت پریشان تھے مگر لٹھا کر پہم سنگھ صاحب نے پوچھا جسارت کی کہ خدمت عالی میں حاضر ہو کر قدیم بوس ہوئے۔ حضور نے فرمایا: "ٹھاکر اب ہم یہیں رہیں گے۔" ٹھاکر صاحب نے عرض کیا: "بہتر ہے۔ آپ یہیں قیام فرمائیں لیکن نواب صاحب کو بہت وقت ہو گی۔ دھرم پور سے کل سالان منگانا ہو گا ورنہ حضور کے مہمانوں کو تکلین ہو گی۔"

چوں کہ مراج ہمایوں کا انداز کریا تھا۔ کسی کی معمولی تکلین بھی کبھی کووارانہ ہوتی تھی اسی لحاظ سے اس وقت بھی شفقت وارثی کو اپنے خلاموں کی راحت کا خیال ہوا اور فرمایا کہ: "اچھا وہیں چلو۔ ورنہ مہمانوں کو تکلین ہو گی۔" پھر کیا تھا۔ فوراً پاگی آئی۔ حضور سوار ہوئے اور ایک ٹھنڈہ میں دھرم پور پہنچ گئے۔ اس وقت نواب صاحب کا جوش سرت زبان حال سے کہتا تھا۔

وہ آئیں گرے میں ہمارے خدا کی قدرت ہے  
بھی ہم ان کو بھی اپنے گھر کو پہنچتے ہیں  
مجھے خوب یاد ہے کہ تاریخ ۵ رمضان الیارک بخششیہ کا روز تھا کہ قریب عصر حضور کی  
سواری دھرم پور تھی۔ شبِ نوایاب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”کل جمعہ ہے۔ نماز کون  
پڑھاتا ہے؟“

نواب صاحب نے عرض کیا کہ مولوی پرورش ملی صاحب پڑھاتے ہیں۔ جناب والا  
نے حافظاً خدا بخش صاحب سے (جن کو بعد میں احمد شاہ کا خطاب مرحمت ہوا) فرمایا: ”مولوی  
صاحب کے ساتھ تھیں نہیں ہیں۔ کل تم نماز پڑھانا اور خطبہ چھوڑا پڑھنا، اور باپو کہیا لال صاحب  
سے ارشاد ہوا۔“ کل سے تم بھی روزہ رکھو اور ہمارے ساتھ نماز پڑھنے چلا۔“

چنانچہ باپو صاحب نے شب بھر میں ارکان نماز یاد کئے اور حافظاً صاحب نے مختصر  
خطبہ تشریف کیا اور بعد نصف انہار سر کا رام کا نماز جو کیلئے تشریف لے چلے۔ جلو میں نلامان  
وارثی کا ازاد حمام تھا۔ جب مسجد میں پہنچ تو دیکھا کہ بھتی کے بہت لوگ مجھتی ہیں۔ حافظاً صاحب  
نے وہی خطبہ پڑھا اور نماز میں جھوٹی جھوٹی سورتوں کی قرائت کی۔ نصف اول میں حضور تھا اور  
عقب حضور باپو کنیا لال اور دیکھا کہ پیغمبم سنگھ اور ہم سب نلام تھے۔ بعد نماز میلا و تشریف ہوا۔ جب  
شیرینی تقدیم ہوئے گئی تو جناب حضرت پاگلی میں سوار ہوئے اور کان پر تشریف لائے۔

شب کو حاضر خدمت ہوا تو مجھے دیکھ کر پیغمبم سنگھ صاحب سے فرمایا: ”دیکھا کرو دوسرا کی  
جیز لے کر احسان مند ہونا نہ چاہیے اور اگر لے تو اس کا ہدایہ کرے۔“ باہر آ کر دیکھا کر صاحب نے  
مجھ سے پوچھا کہ مجھ بتاؤ۔ حضور نے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ روئے ہیں اس ارشاد کا ضرورت محاری  
جاپ تھا کیونکہ جناب حضرت کا اندراز کلام بھی ہے کہ جس سے خطاب کرنا منتظر ہوتا ہے اس  
سے نہیں بلکہ دوسرا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ اسلئے میرا خیال یہ ہے کہ مخاطب گیری  
طرف تھا۔ مگر مقصود تمہیں ہو گئے کہ سوائے محاری اس وقت کوئی اور حاضر نہ تھا۔

میں نے غور کیا تو عنایت وارثی نے مجھ کو اپنے قصور پر آگاہ کر دیا اور سمجھ دیں آگیا:

سوئے من بود اشارت فزہ

گرچہ با دیگران خن میکفت

﴿ خاص ادا سے اشارہ ہیری طرف تھا اگر چہ روئے ہیں دوسرا کی جانب تھا۔ ﴾

بیشک۔ یہ مری تجھیہ کیلئے ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ دیکھا کر صاحب سے اپنا حال بیان کیا کہ

چونکہ قبل تو قوالوں نے لے لیا تھا۔ اس وجہ سے میرے دوست خواجہ حسن صاحب نے اپنی رضائی ساتھ کروئی کہ سردی کی تکلین نہ ہو۔ وہی اس وقت اوز ہے ہوئے تھا۔ شاید میرے غیور ہندہ نواز کو منکور نہ ہوا کہ ہمارا نلام کسی صورت سے بھی غیر کامران ہون احسان ہو۔

لہا کر صاحب کو تو فی الجملہ اطمینان ہو گیا تھیں میں اپنی اس غلطی پر اس قدر مام و شہزاد ہوا کہ بیت وارثی سے تمام شب مضطرب ہی قرار رہا۔ جب قلب زیادہ پیتا ب ہوتا تو بستر پر مغل مل ملی بے آب ترپنا اور آتائے ناہار سے عظیمیر کا خواستگار ہوتا اور بہتر انجمن و انعام عرض کرتا۔

**بادشاہ جم را درگزار**

**ما گنہگاریم تو آمر زگار**

(۱) اے بادشاہ! میری خطاب معاف کر دے میں گنہگار ہوں اور تو گنہگار ہو۔  
صحیح کوہر چند تباہ نداشت سے محبوب تھا۔ مگر شوق قدیبوی میں حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سرکار حالم پناہ کا بلی اُسے اوز ہے تھے جنور نے وہ دوش ہمارک سے اٹا کر مجھ کو مرحت فرمایا۔ میں نے اس خلعت فائزہ کو آنکھوں سے لگایا اور باہر آ کر رضائی رکھ دی اور وہی قیمتی اوز ہگر شاہ اس فرمان پھر نے لگا۔

بعد نظریہ کے وقت حاضر خدمت ہوا تو فرمایا ”او گفت شاہ منو۔ فی انفسکم افلاطون مسرورون۔ سمجھ گئے“۔ اس ارشاد کے پردہ میں نیصان وارثی نے یہ کوشید کھالیا کہ ونعت قلب کی حالت اس عنوان سے بدلتی گئی جس کی حقیقی کیفیت کا اظہار انخطوں میں کرنا وشوارة بھی ہے اور منوع بھی۔ بقول:

**نہ رازِ خلوتِ شاہان بہر کس می توان گفت**

**نہ سرینہ مژدان مزاۓ قلب سمجھیں است**

(۲) شہنشاہوں کے نالوئی راز و سروں سے نہیں کہنے چاہیں ان کے دل ان رازوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔  
(۳)

مگر اس افتخار میں بے ساختہ یہ ضرور عرض کیا کہ جنور سمجھ گیا تھیں کوئی دریافت کرے کہ تم کیا سمجھے تو اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ سمجھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بیجنوری میں یہ ہوش آیا کہ قابل اس کے جس قدر کچھ چکا تھا وہ فراہوش کیا اور یہ تلقین اسی موثر ہوئی کہ باوجود اس کی کے دل کو تسلیم ہو گئی اور مجھما فہم کی سمجھ میں آگیا کہ اس کثرت میں درحقیقت وہی وحدت حقیقی جلوہ

گر ہے۔ جو تمام عالم کی جان بلکہ عین ایمان ہے بقول حضرت مولانا علی الرحمۃ:

**اتصال بے تکیع بے قیاس**

**بست رب الناس را با جان ناس**

حالانکہ اس آیہ واقعی ہدایت کی بارہا تلاوت کی تھی۔ اس کا ترجمہ بھی پڑھاتا۔ اس کی تفسیر بھی دیکھی تھی۔ علمائے عظام نے جو نکات و لطائف اس کے تحت بیان فرمائے ہیں وہ بقدر استعداد مجھ کو پادھتے۔ جنی کہ مشاہیر حضرات صوفیہ کرام نے اس آیہ کو یہ کسے سلسلہ میں جو روز معنوی ظاہر فرمائے ہیں ان سے بھی آنکھیں مستفیض ہو چکی تھیں۔ مگر میری اس تمام واقعیت کی رسائی صرف تحریر مقرر کے احاطہ میں محدود تھی۔ نہ حقانیت سے تعلق نہ روحاںیت سے سروکار رکھتا۔ بقول:

**علم رسم سربر قل است و قال  
نہ ازو کیفیت حاصل نہ حال**

﴿علم قل و قال کی رسم ہے جس سے نہ کیفیت حاصل ہوتی جہا ورنہ حال﴾

لیکن پیشوائے رحق کی قوت کاملہ کی یہ روشن دلیل ہے کہ جب اس واقعی رموز و اسرار و کاشت غوامیں و استارے نے اس آیا پاک کی تلاوت فرمائی تو شخص اس کی سماut سے مجھ اپے ما فہم کے اور اک نے تصدیق کی کہ لاریب فیہ یہ آیت سریان و جو لوکی قطعی شاہد ہے۔

اگر جناب حضرت اس آیت کے سرانجام میں انطہار فرماتے اور مسٹر شدید کو نکات معنوی سے آگاہ کرتے تو وجہت کی گنجائش نہ تھی۔ تجھب ہے تو اس کا ہے کہ حسنور نے ترجمہ بھی نہیں بیان کیا اور صرف ایک لفظ ”سبھے“ اس اندراز سے فرمایا اور اس کا یہ گہرا اثر ہوا کہ مجھ ماں مجھ کو یہ سمجھ مرحمت ہوئی کہ عقل و شعور کی رسائی سے جو سمجھا تھا وہ فعلی لوح ذہن سے بخوبی ہو گیا بقول:

**”بُوْرَپَ حَالَكَحَا تَبَانِيَّا زَ نَ اَسَے صَافِ دَلَ سَے بَطَارِيَا“**

اصل یہ ہے کہ اپے بدیہی اور پر اثر فیض کا وقوع بجز تاثیرات عشق کے اور کسی قوت سے ممکن ہے اور جو نکاح سرکار عالم پناہ کا شریب ہیں عشق ہے مسلمے آپ کے جملہ اقوال و اعمال میں تاثیر عشق ایسی مضمون تھی کہ ہر چند آپ کسی زبان میں کوئی مضمون ادا فرمائیں مگر وہ اپنی حقیقی تاثیر سے ضرور معمور ہو گا اور مخاطب بھی اُسی حیثیت کا کیوں نہ ہو لیکن آپ کے مقدس کلام کے اثر سے اس کو موثر ہوا لازمی ہے اور اثر بھی وہی ہو گا جو عشق کا خاصہ ہے کہ ”یحرق ماسوی

المحیوب .. یعنی وجود غیر اللہ مفترض ہو جائے۔ قولِ ولادت مذکور علیہ  
**عشق آن شعلہ است کو چون بر فروخت**  
**ہرچہ جز معموق باقی جملہ سوخت**

﴿عشق ایسا شعلہ کہ جب بھر کتا جتو معموق کے علاوہ ہر چیز کو جانا دیتا ہے﴾  
 اور یہی اثر عشق ہمیں توحید ہے کہ ذرات کا ناتا میں ایک شاہد حقیقی کے  
 ظہور ہے۔ گیر کی تصدیق ہو جائے۔ جیسا کہ ہمارے شہنشاہ تعالیٰ عشق کے افاضہ بالطفی کی  
 تاثیر نمایاں ہوتی کہ آن واحد میں اپنی قوت روحانی سے مجھہ مامل کے قلب غیر مصنوع کو خدات  
 کثرت کی کثافت سے صاف کیا اور توحید حضرت والیجہ الوجود کی تصدیق مرحمت فرمائی۔  
 ایک بار کیا بلکہ متواتر دیکھا ہے کہ حضور کے تصرفات کا عموماً یہی انداز تھا اور اکثر  
 اخوان ملت کی تربیت آپ نے اسی صورت سے فرمائی کہ معمولی تقریر کے پردہ میں ان  
 کو فائز المرام کیا۔ اسلئے تجہب کا مقام نہیں ہے کہ ایک آیت کی تداویت نے مجھہ کو ایسا مکمل کر دیا  
 جس کی نویت سے باہر آ کر میں عرصہ تک مہبوت بیٹھا رہا۔

لیکن حسب دستور بعد عصر بھی قدِّیبوی کیلئے حاضر ہوا ضرور تھا۔ اس وجہ سے اسی  
 حالت میں سعادت حضوری حاصل کی تو جناب حضرت نے پندرہ ترمیم فرمایا۔

**”اوْلَىٰ مَنْهُ شَاهٌ“ ان بتوں میں ایک دن ان کو خدا مل جائے گا۔**

اور مسکرا کر منہ پھیر لیا۔ اس بنا راست سے قلب کو تواطمینان ہو گیا۔ مگر مسکرا کے منہ  
 پھیر لیا ایسا دل آؤز انداز تھا جس نے تقریر کر دیا۔ تقریر تھا کہ آہ سر داس خوشگوار رور کا ظہار  
 کرتی کہ دانندہ مانی الصیر نے ایک گھونسہ مار کر فرمایا ”جاڈا ٹھہرہ“۔ میں کرہ سے باہر آیا  
 اور جوش سرست میں اس عنایت و پروردش کا شکر ادا کرنے لگا کہ

**اے خوش آن دم کر گوش مکرم  
 سکتے از اب شکر هکت**

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهَا جِنْحاً تھا جب اس کی طرف کان کیا اور اس کے میٹھے بوس سے بات سنی۔﴾  
 اس موقع پر ماوس حافظ عبدالجید صاحب اور بھائی حافظ ظفر الدین صاحب اور  
 چودھری قبل شیخین صاحب بھی شوق قدِّیبوی میں حاضر ہوئے تھے۔ چنانچہ وہم پورے روانگی  
 کے وقت جب کہ سرکار عالم پناہ موار ہوئے تشریف لارہی تھے تو یہ لوگ بھی قدِّیبوی ہوئے۔  
 جناب والا نے تھوڑا اتوتف فرمایا اور ارشاد ہوا کہ ”خط آیا ہے کہ اوّلگت شاہ چار پانی پر بیٹھتا

بے۔ ان تینوں نلاموں نے یک زبان عرض کیا کہ حضور کو یہ اطلاع کسی نے ملاد دی ہے۔ پھر جناب والانے فرمایا کہ پچھرا یون سے خدا آیا ہے کہ اوگھٹ شاہ چارپائی پر بینتا ہے اور کریم بھی پینتا ہے۔ ان لوگوں نے سکروہی عرض کیا کہ قبلہ حالم یہ تیر بالکل خالق والقد ہے۔ حضور نے فرمایا کہ ”خود غلط ہے اوگھٹ شاہ“ ایسا نہیں ہے۔ اس نے کہا ہے کہ لعنت ہے اس پر جو ایک طریقہ چھوڑ کر پھر اسی کو اقتدار کرے۔ اور خادم سے ارشاد ہوا کہ اوگھٹ شاہ کو پیدا و میں حاضر ہو تو فرمایا۔ ”وکھوا اوگھٹ شاہ پچھرا یون میں توک سے رہنا“ میں نے عرض کیا کہ حضور توک سے رہنے کا صحیح مفہوم یہ غلام نہیں سمجھا۔ ارشاد ہوا کہ ”پے لاغ اور بے فرش آن بان سے رہنا کسی سے دب کر نہ رہنا۔“ میں قد نبوس ہوا تو فرمایا۔ ”ہمارے ساتھ چلو اور آپ پاکی میں سوار سنڈول روائہ ہوئے ہم لوگ جلو میں چلے۔“ مگر ہاموں صاحب وغیرہ وہیں سے پچھرا یون واپس گئے۔

سنڈول کے راستہ میں ایک گنوں ملا جس کا تظر اتنا ہوا تھا کہ آنہ مونٹھ بیک وقت جاری تھے۔ یہ دیکھ کر نور محمد شاہ خادم خاص نے عرض کیا کہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ اس اندارہ پر آنہ مونٹھ چل رہے ہیں۔ آپ نے پاکی سے اتر کر دیکھا اور یہ فرمایا کہ فوراً سوار ہو گئے کہ ہم نے اس سے بڑا اندارہ دیکھا ہے۔

ہم ماٹھوں کو اس کا اور اگ بھی نہیں ہوا کہ معمولی چیز دیکھنے کیلئے حضور نے کیوں تکلینے فرمائی لیکن بعد کو ظاہر ہو گیا کہ نہ وسیع کنوں ملاحظہ فرماماً مخصوص تھا۔ نہ یہ عرض تھی کہ آنہ پر چلنے کا تھا شاہ کیسیں بلکہ ایک ازلی ارادتمند کی حمایت مانکو تھی۔ کیونکہ جس طرح یہ محدث ہے کہ روز بیانق مشتمل حقیقی نے قلب عشق کو جو ہر محبت و دریعت فرمایا۔ بقول:

سلطان ازل سچ نم عشق بناوار

تاریخے درین منزل ویرانہ نہاریم

﴿سلطان ازل نم عشق مجھے عطا کیا تا کہ اس منزل میں ہم ویرانہ کی بیمار رکھیں یہ﴾ اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ ہادیان راہ حق نے عالم ارواح میں جن کی ہدایت فرمائی ہے ان کے وہ ہمیشہ نگران حال رہتے ہیں اور وہ مستردین جب عالم اعیان میں آتے ہیں تو بجا ڈالنا وہ قدر یہم ان کو بھی دست گیر کے ساتھ ارادت ہوتی ہے اور ان کا فطری جوش زبان حال سے کہتا ہے بقول:

ورازول واوہ است مارسانی لش نہت

**جرح جائے کہ من سرگرم آن جامِ نوز**

میرے لعلیں لب ساقی نے مجھے براول دیا ہے اور وہ گھونٹ جس نے مجھے از سرفتنہ کر دیا ہے  
ابھی جام کے نادر ہے۔

اور ان کو باوی کا مل اس مالم میں بھی مدد و معاون ہوتا ہے اور حصول رضاۓ حق کی  
ہدایت فرماتا ہے اور اپنے فیضان بالٹی سے مستفید کرتا ہے۔ جیسا کہ حضور نے اپنے ایک ازیٰ  
حلقہ گوش کیلئے یا بتا مفرما یا کہ بحدائقِ "مکلُ امرِ مژہوں" پاؤ فاتھا۔ جب اس کی  
ہدایت کا وقت آگیا۔ پاکی سے اترے اور کنویں پر کام کرنے والے مزدوروں میں سے اس کو  
نکال کر اپنے مذل عاطفت میں لیا اور وہ ذی ہوش بھی اتحاد و یگانگت کے جوش میں اپنے حقیقی رہنمای  
کی جانب رجوع ہو گیا۔

چنانچہ اپنی آنکھوں سے یہ کرشمہ دیکھا کہ جو لوگ مرچار ہے تھے باقی سب تو اسی کام  
میں مشغول رہے یعنی ان میں سے ایک شخص جو قوم کا راجہوت تھا کام چھوڑ کر آیا اور تم لوگوں کی  
طرح پاکی کے ساتھ چلا۔ سندھ ول پہنچ کر اس نے نہایت پر جوش لہجے میں مجھ سے کہا کہ میاں  
صاحب مجھ کو بھی گروہ بارج کا چیلہ کردا ہے۔ میں اس کو خدمت والا میں لایا اور اس کی  
استمدعا کا اظہار کیا۔ حضور مسکرے اور اسی وقت اس کی بیعت میں اور فرمایا۔ "جاوہر یہ ہو گئے۔"

چونکہ مشتا تان جمال وارثی کا ہجوم تھا اور بکثرتِ اہل عقیدت وائل سلسلہ ہو رہے  
تھے۔ اسلئے میں دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور ہر ایک حلقة گوش کو شجرہ دینے لگا۔ بلکہ باپولنیا الال  
صاحب بھی میرے ساتھ اسی انتظام میں مصروف تھے کہا گا وہ ذی ہند و راجہوت میرے پاس آیا  
اور کہا کہ یہ کافر مجھ کو بھی دو۔ میں نے کہا۔ "تم اس کو کیا کرو گے؟" اس سادق الارادت نے  
بر جستہ کہا کہ قیامت کے دن جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تو بھی مر یہ ہوا تو میں یہ کافر اس کے  
ہاتھ میں دیوں گا کہ دیکھ لے۔ باپو صاحب موصوف نے کل شجرے میرے ہاتھ سے لے کر اس  
کو دے دیے اور مکمل ہو کر کہنے لگے کہ ایسے ہی عقیدت شعار حلقة گوش شجرہ رکھنے کے مستحق اور  
مزاروار ہیں۔

الغرض جس طرح دھرم پور میں ہزاروں عقیدت منڈل جماعت وارثی میں پناہ گزیں  
ہوئے اسی طرح سندھ ول میں سینکڑوں اہل ارادت شرف بیعت سے شرف ہوئے۔ بلا اثر  
حضور اتر ولی ریلوے اسٹیشن سے سوار ہو کر تلی گڑھ تشریف لائے اور بالائے قلعہ حافظ حسن خان  
صاحب کے کان میں قیام پذیر ہوئے یہاں بھی مر یہ یعنی وہ عقیدیں کا ہجوم تھا۔ بلکہ وہ

مشتمان زیارت جو بے شری کی وجہ سے دھرم پورا اور سندھ ول میں حاضری سے تاصرر ہے تھے اب چنان حضرت کی تشریف آوری کی شہرت سن کر پواتہ وار اترونی، ڈلائی، اوٹ گھر، چونڈرہ، تاولرے بائش غیرہ سے آئے اور سلمہ وارثیہ میں داخل ہوئے۔

چنانچہ تین روز طلی گڑھ میں فیضان وارثی نے خلق اللہ کو مستقید فرمایا۔ جب حضور اندرس نے بائزس جانے کا عزم کیا تو مجھ کو بھی رخصت فرمایا اور قدیموں ہو کر میں پھر ایوس واپس آیا اور اسی مسجد میں آ کر پھر تباہ زندگی بسر کرنے لگا۔ البتہ اس دلچسپ سفر کی یاد شب تہائی میں ضرور موئس و شخوار تھی کہ حضور کے غیر معمولی اصرفات اور تامل یا رکار و اتفاقات کا خیال کرنے سے اکثر یہ حال ہوا کہ پھر وہ ساکت و صامت بیجا رہتا تھا۔

چنانچہ اس سفر کے بعد سے یہ حالت ہو گئی کہ آنکھوں کو کوئی سیر و تماشا پنڈنیں آتا تھا۔ ہر وقت وہی منظر پیش نظر تھا جو حضور کی بدولت دھرم پور کی سیاحت میں دیکھ آیا تھا۔ ہر چند بخیال ڈھنگی بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضر بھی ہوا مگر کسی صورت سے تسلیم نہ ہوئی۔

بقول

### شربت درد تو ہر خستہ کے نوشیدے القات ہے میجا و م او نکند

(جو خستہ حال تیرا شربت پی لیتا ہے اسے میجا اور اس کے دم کی حاجت نہیں رہتی ہے اسی اختصار میں دن راست زندگی بسر ہوتی تھی اور یہی خیالات اس قدر استوار ہو گئے تھے کہ کسی وقت دل کو فرار نہ تھا۔ مگر والد ماجد کا عرس قریب آگیا تو حسب معمول اس کے اندرام میں مصروف ہوا اور بوجہ اس مرتبہ تاریخ میونہ میں بھی اس قدر تمیم ہوتی کہ بجائے تمری میونہ کے سلسلی میونہ اختیار کیا۔ چنانچہ ۱۳۱۹ھجری کا عرس کم چیت مطابق ۲۷ اگسٹ سے شروع ہوا اور امداد بھی سے ہر سال اس عرس میں کچھ نہ کچھ ترقی ضرور ہوتی اور اب پہاں تک شہرت بھی ہو گئی کہ بعض مشاکیں بھی شریک ہونے لگے اور میرے اعزاء و احباب بھی وحشی لیتے تھے جی کہ اس عرس میں تین روز مہمانداری کے ساتھ قوامی بھی ہوتی اور ۳ چیت مطابق ۲۶ اگسٹ کو یقینی بخت ہوتی۔)

اسی اثنائیں حلوم ہوا کہ نور محمد شاہ خادم خاص مہداء خدمت سے معزول ہو گئے اور فیضو شاہ صاحب جو ماتحت تھے ان کے قائم مقام ہوئے اور سب معزولی یہ ہوا کہ کچھ عرصے سے وہ طامع اور تریص استقدار ہو گئے تھے کہ مانگنے پہ بے اور با وجوہ متواتر نہماں کے اس خصلت

سے باز نہ آئے اور نہ یہ خیال کیا:

### جہاں فانیٰ و کارش جملہ فانیٰ چ کار آپہ ترائیخ و محزان

فُرمایا اور اس کے تمام کام پا نیدار ہیں تیراخڑا نہ اور دولت کس کام آئیتی ہے یہ  
آخراً یک روز سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ دیکھوںو مرشد شاہ یہ مشہور مقولہ ہے کہ یا رستے  
دھا اور گروتے چوری، یا ہوندھا ہو گوڑھی۔ مگر اس اسرار وام حرص و آزاد نے اس ہدایت کے بعد  
بھی اپنے اخلاقی ذمیہ کو درست کرنے کی کوشش نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا خون متحرک ہو گیا  
اور پھر ہر پر تھی روز بہ روز بہ عنین لگا۔ اس وقت انہوں نے مجبوراً اپنے انعام قبیح سے توبہ کی اور شاید  
اسی شب کو یہ خواب دیکھا کہ سرکار عالم پناہ نے مجھ کو ایک دریا میں غوط دے کر نکلا تو جسم کی وہ  
سوہنہ اور تکلین بھی جاتی رہی اور ہاتھ پاؤں کا ورم بھی اتر گیا۔

چنانچہ اس خواب کی بدیکی تعبیر بھی ظاہر ہو گئی کہ وہ بفتہ میں وہ احراری حالت معمولی  
علاقے سے جاتی رہی لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد ”کارہشم حریسان پریہد“ کا مضمون صادق آیا  
نو مرشد شاہ پھر نفس کے وام تزویر میں گرفتار ہوئے اور حسب عادت قدیم ان سے پھر وہی حرکات  
سرزد ہوئے لیکن کی پاواش بھی فوراً ہو گئی اور چند ہی روز میں پھر وہی آزار وہنا ہوا اور احراری  
ماڈہ عود کر آیا پلکہ اس مرتبہ کوئی علاج مفید نہ ہوا اور حارضہ میں روز بہ روز ایسی ترقی ہوئی کہ پاؤں  
کی انگلیاں شق ہو گئیں اور دلوں ہاتھ بھی خراب ہو گئے۔ ہنام بھی ہوئے اور ماہی میں نہ رام  
بقول

### خیال جہاں از دلت دور کن بکارت نیا یہ گھبے حرص و آز

فُرمایا کا خیال دل سے نکال دے لائی اور حرص وہوا کبھی کام نہیں آتے۔ یہ  
چونکہ یہ بھی معمول تھا کہ خادم خاص کھانا کھلانے میں شریک ہواں جیشیت سے  
نو مرشد شاہ روزمرہ دستِ خوان بچاتے تھے اور ہر ایک کھانے میں ان کا ہاتھ بھی لگتا تھا۔ یہ دیکھ کر  
وہی خدا م کو عموما اور مرزا ایسا ہیم بیگ شیدا اور تاضی بخشش علی صاحب کو خاص طور پر بجا ڈال بشریت  
خیال ہوا اور پڑھرا تھیا ط چند مرتبہ جتاب حضرت سے ملتھس ہوئے کہ وہی خدمات اگر پا انعام  
ویں تو ہم کو خذ رہیں لیکن کھانا کھلانے میں بھوٹر کیک ہوتے ہیں یہم لوگوں سے نہیں دیکھا جاتا۔  
ان کی تسلیمیں کے واسطے کبھی تو جتاب والا نے یہ فرمایا کہ حارضہ کو متعددی نہ خیال کرو

اور کبھی ارشاد ہوا کہ معمر شخص کو یہ عارض نہیں ہوتا اور کبھی ان کی دلجمی اس طرح بھی کر دی کہ فرمایا آئندہ سے کھانا کھلانے میں پیش رک نہ ہوں گے لیکن اس حکم کا عمل درآمدتہ ہوا اور بدستور نور محمد شاہ اپنی خدمت پر مامور رہے۔

آخر ایک روز یہ دونوں خلام دست بستہ کھڑے ہوئے اور آہ ہیدہ ہبہ کر عرض کیا کہ حضور یہ درخواست منظور فرمائی جائے کہ نور محمد شاہ کل کام کریں۔ صرف دفتر خوان کے قریب نہ آئیں۔ چونکہ یہ عرض داشت مشتمل پر نہ صائب تھی بلکہ عین محبت سے تھی اسلئے قبلہ عالم نے اسی وقت نور محمد شاہ کو زکال دیا۔ مگر ان کی خدمت کسی دوسرے خادم کو تفویض بھی نہیں فرمائی۔ ہم یہ لوگ خوش ہو گئے اور نور محمد شاہ تمام دن بصورت تحریر باہر بیٹھے رہے۔

ماگاہ عصر کے وقت تھکم ہوا کہ نور محمد شاہ کو بدللو۔ سب کو حیرت ہوئی اور ابھی بھلکل ملزم جو باہر بیٹھے تھے وہ اندر آئے اور اپنا فرض منصبی واکرنے میں مصروف ہو گئے لیکن شیدا میاں اور تااضی صاحب کو یہ خیال ہوا کہ ہماری استدعا قطعی معزول کرنے کی نہ تھی۔ اسلئے دینگر خدمات کے واسطے بالائے گئے ہیں درخواست صرف اس تھکمی کہ دفتر خوان کے قریب نہ جائیں۔ وہ شاید منظور ہو گئی ہو اور اب کھانا کھلانے میں پیش رک نہ ہو پائیں گے لیکن شب کو جب خاصاً یا تو نور محمد شاہ نے حسب معمول کھانا کھلایا۔ یہ کیا کہ شیدا میاں اور تااضی صاحب کو خفت تکلیف ہوئی مگر اس وقت پاک ادب خاموش ہو رہے۔

یہ بھی تابعہ تھا کہ شب کو ماگاہ وارثی میں علاوه ہر وو خدام متعدد کے ایک یا کبھی دو خادم اور بھی ضرور بچت تھے جن کا کام یہ تھا کہ سرہانے پیچکر کوئی تاریخی واقعہ بیان کریں یا حضور نے کوئی بات کی تواں کا جواب دیں۔ گویا شب کے خادم یہی لوگ ہوتے تھے اور چونکہ روز و شب کی یہی خدمت تھی۔ اسلئے مزاج و اتنی بھی انھیں حضرات کا حصہ تھا اور اس خدمت روزانہ کیلئے تمیں چاری خادم خصوص تھے۔ مجدد ان کے شیدا میاں اور تااضی بخشش نلی صاحب بھی تھے۔ اتفاق سے اس شب کو سرکار عالم پناہ نے انھیں دونوں کو حاضری کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام رات نہایت مستعدی سے انھوں نے اپنی خدمت بھی انجام دی اور باہم یہ بھی تجویز کیا کہ صحیح کو اس کا بھی قطعی تھفیہ کر لیا جائے کہ نور محمد شاہ ہرگز دفتر خوان کے پاس نہ جائیں۔

صحیح کو بھی یہ لوگ اپنی مقررہ خدمت میں مصروف رہے اور جب حضور اشتہ کر چکے تو یہ دونوں خلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کو رخصت کر دیا جائے۔ ارشاد ہوا: ”کہاں جاتے ہو؟“ عرض کیا۔ ”اپنے اپنے کمر“ فرمایا۔ ”کیوں جاتے ہو؟“ عرض

کیا؟ ”ہم سگ دنیا ہیں۔ باعتبار بشریت یہ نہیں دیکھ سکتے کہ جس کمانے کو مدد و مہما تھا گئے۔ اس کو آپ تناول فرمائیں۔ حالانکہ خون رو محمد شاہ کو احتیاط لازم تھی مگر خوف خوفی سے وہ خیال نہیں کرتے اور نہ آپ ہماری استدعا منظور فرماتے ہیں۔ لہذا آپ ہم کوئی نہیں۔ اسلام مجور اپنے اپنے گھر جاتے ہیں کہ نہ بیہاں ہوں گے زبان کی یہ عنوانی دیکھیں گے۔“

سرکار عالم پناہ حضوراً غور کرنے کے بعد کھڑے ہو گئے اور دونوں شماموں کو سینہ سے لگالیا اور فرمایا ”تم نے ہمارے واسطے دین و دنیا کو چھوڑا اور یہ بھی محبت کا تقاضا ہے جو کہتے ہوگے وہ کھانا نہ کھلائیں۔ اچھا آپ نہ کھلائیں گے۔“ اور فتح نصیر شاہ سے ارشاد ہوا کہ تھیلاں لو اور نو رمح شاہ کو ہٹا دو۔ چنانچہ فتح نصیر شاہ نے فوراً اس حکم کی تفصیل کی۔

اس تھیلا میں حضور کا خاص اسیاب رہتا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سکھا، ایک سرسد وانی، ایک سلانی اور چند مٹی کے ڈھیلے اور سینک کے خال اور ایک دو قسم کا چورن۔ یہی تھیلا جس خادم کے پاس ہو وہی خادم خاص کے لقب سے موسم ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ تھیلا فتح نصیر شاہ کو مل گیا لیکن معولاً دوسرے خادم کی بھی ضرورت تھی جس کیلئے مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔

شاہ فضل حسین صاحب اور شیدا میاں نے یہ گذارش کی کہ اوگھٹ شاہ کو ہدایا چاہے۔ سرکار نے فرمایا کہ وہ اپنے باپ کی قبر پر رہتا ہے اور بیہاں کی زبان بھی وہ نہ سمجھے گا پھر ابو الحسن شاہ اور گزرے دل شاہ کو تجویز کیا۔ حضور نے یہ رائے بھی مانپندا فرمائی۔

مگر فتح نصیر شاہ چونکہ تھا تھے اسے شیدا میاں و تااضنی صاحب ان کے شریک رہے اور چھوڑنے کے یوں بھی کام چاہا۔ لیکن حضور نے دوسراخادم کسی مصلحت سے مقرر نہیں فرمایا۔ خادم خاص صرف فتح نصیر شاہ رہے اور روازہ پر فوت علی شاہ رہتے تھے۔ مگر کوئی مخصوص خدمت ان کو تفویض نہیں ہوتی تھی۔

اسی زمانہ میں شاہ فضل حسین صاحب نے یہ کل حالات ارتقام فرمائے اور مجھ کو طلب کیا کہ خدمت میں رہو۔ میں نے جواب میں مدد و مدد کو شکارش کیا کہ اول توہڑ رگوں کا فرمودہ ہے کہ ”رز ویکاں راہیں بوجرا تی۔“ وہم سرکار عالم پناہ کی زبان اقدس سے سنائے ہے کہ خدمت میں اندھا بنا کے رکھتے ہیں۔ لہذا میں خادم خاص ہونے سے ڈرا ہوں اور ہمیشہ بھی استدعا ہے کہ جس طرح نلام ہنلیا ہے۔ اسی طرح نلام ہنا کے رکھیں اور انتا اللہ عقریب زمانہ میلہ کا تک میں حاضر خدمت ہو کر اس کے متعلق زبانی عرض کروں گا۔

چنانچہ ۱۶ صفر ۱۳۷۰ ہجری کو میلہ کا تک میں حاضر ہوا تو یہ کرشمہ قدرت دیکھ کر جیرت

ہوئی کہ وہی نور محمد شاہ کل جس کامران خان ملتا تھا۔ آج ایک ٹیلی کے بیباں پرے سے ہیں اور اس قد رکھپری کی حالت ہے کہ ان کا سلام کوئی نہیں لیتا۔ یا انقلاب دیکھ کر بیرا خیال اور مشبوط ہو گیا کہ واقعی خادم خاص بن نکر خدمت کافرش کمالاً ادا کرنا بہت دشوار ہے لیکن وہ شوق روزانہ فروں تھا کہ درودت پر حاضر ہوں۔ بلکہ اس مرتبہ رخصت ہوا تو تمہرا یوں جانا شاق گز را کہ ایک دن کا فراق بھی گوارا نہ تھا اور حسرت یقینی کہ صحیح و شام آستا تھا اقدس کی دید ہوتی اور عمر یونہی تمام ہو جاتی۔ بقول جامی علیہ الرحمۃ:

جز سر کوئیش من دیوانہ رامکن مبار  
بلیل بے خانماں راجائے جز گلشن مبار

﴿تیرے کوچ کے سوا دیوانے کا کوئی لمحکانہ نہیں جس طرح بے گھر بلیل کو باش کے علاوہ کہیں  
چکہ نہیں ملتی ہے﴾

لیکن قربان جا چکے حضرت وارث پاک نے بندہ نوازی کی یہ شان و کھانی کر ۱۳۲۰ء میں شاہ ولایت صاحب کے عرس میں جب حاضر ہوا اور بدستور قدیم درگاہ میں قیام کیا تو چھ روز کے بعد جو بیری رخصتی کا وقت تھا آئائے نامدار نے میرے حق میں یہ حکم صادر فرمایا کہ درودت پر حاضر ہو۔ یعنہ مالکی مراد پاکر بے حد صرفت ہوئی بقول

پاکم نیز سد زمین و نگر از نشاط  
نا سعے من بلطغ و عنایت تو دیدہ

﴿آپ نے مجھ پر لطف و کرم کی نیکاہ ڈالی ہے میرے پاؤں زمیں پر نہیں کلتے۔﴾  
اسی کے ساتھ یہ حکم ہوا کہ بستر بھی درودت پر لگاؤ۔ چنانچہ اسی روز صدر دروازہ کے قریب پہلی ڈیواری میں بستر بچالیا جس کے جنوبی حصت جو کمر تھا اس میں رحیم شاہ صاحب رہتے تھے اور میرے بستر کے پائیں شال کی طرف قفت علی شاہ کا بستر تھا۔ اب کوئی غم نہ رہا اور اطمینان ہو گیا کہ

وی چند در ج شاہ وارث نے  
ورنہ اوںگت کہاں نیکاہ تھا

پہلے مجھ کو خدمت مہمان نوازی مرحت ہوئی کہ زائرین کے قیام اور ان کے آرام کا انتظام کروں۔ ان کی آسانی کیلئے روشنی اور پانی وغیرہ موجود ہے۔ صحیح و شام ان کو کھانا پہنچاوس اور جوارا و تمدن حلقة غلائی میں داخل جو اس کو خدمت والا میں پیش کروں لیکن روہفتہ کے

بعد مہاگین کو روزانہ جو نسل تسلیم ہوتا تھا اس کا اصرام بھی مجھ کو تفویض ہوا اور اب تمام دن انھیں خدمات میں مصروف رہنے لگا اور اپنی قسم پر خونا ز کرتا تھا۔ قول:

**خاک قدم دوست شد نیت کے را**

**ایں بیش کے امروز مرا در قدم دوست**

﴿آن میرا عیش آرام اس کے قدموں کی برکت ہے بے میں اپنے دوست کے قدموں کی خاک ہوں اور کسی سلیمانی اس سے مساوا پچھنیں﴾

ایک روز پانی بر ساتھا اور امر کی وجہ سے رات کو ٹاریکی زیادہ تھی اور مہماںوں کو آمد و رفت میں بہت تکلیف ہوئی کیونکہ محنت و ولت سرانے میں اور صدر دروازے کے باہر روشنی کا قطعی انتظام نہ تھا۔ دوسرے روز جب اس کی شکایت حضور نے سنی تو یہ خدمت بھی مجھ فقیر کو مرمت ہوئی۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک چوبی ستون لاٹھیں کے والٹے محنت کان میں اور ایک صدر دروازہ کے باہر پائیخانے کے قریب اس انداز سے گازا جس کی روشنی ہر چہار جانب ہو اور ان پر لاٹھیں نصب کر دی۔ رات کو جب انھیں روشنی کیا تو سب کو یہ انتظام پسند آیا مگر فتح شاہ صاحب کو یہ روشنی شاید خوٹکوار نہ حلوم ہوئی یا کسی اور وجہ سے جناب والا کی خدمت عالی میں عرض کیا کہ جو بات بھی نہ ہوئی تھی وہ شروع کی گئی اور جدید تنظیم نے لاٹھیں لگائی ہے۔ حضور نے مجھ کو ہلاکر دیافت کیا۔ میں نے اس کی ضرورت ظاہر کی اور محنت کان میں جو لاٹھیں روشن تھیں وہ دیکھائی۔ چونکہ اس وقت خفیت بارش ہو رہی تھی اور امر غمیٹا تھا۔ اس ٹاریکی میں وہ روشنی نہایت خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ حضور نے فرمایا: ”یہ تھاری ایجاد ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ایک لاٹھیں باہر بھی لگائی ہے۔ فرمایا: ”چلو اس کو بھی دیکھیں۔ ہر چند خدام نے بارش کا عذر کیا مگر قبلہ عالم صدر دروازہ تک تشریف لائے اور باہر کی لاٹھیں دیکھ کر ارشاد ہوا: ”اب مہماںوں کو بہت آرام مل گا۔“

الغرض جب سرکار عالم پناہ کی منظوری ہو گئی تو پھر کسی خام نے روشنی کی نسبت بھی اعتراض نہیں کیا اور میں وقت اور موقع کے لحاظ سے جہاں اور جس قدر روشنی کی ضرورت دیکھتا تھا اس کا انتظام کرتا تھا۔

ایک روز قبلہ عالم نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ خطوط لائے؟ میں نے عرض کیا کہ ہر پر شاد جنگی رسان لانا ہے وہ بھی آیا نہیں۔ ارشاد ہوا: ”تم ذا کنائے جا کر لاؤ۔“ میں فوراً گیا اور حضور کے نام جس قدر خطوط آئے تھے لا کر خدمت والا میں بیش کئے۔ جناب حضرت

بینجھے اور خطوط ایک فرمایا: ”انتے خدا آئے ہیں۔“

چونکہ اس زمانہ میں نہوں اشرف میان چھپی رسانی سے خطوط لے کر بے ترتیب طریقہ سے ان کا مخصوص نام دیا کرتے تھے اسی خیال سے وہ بھی آئے اور خطوط ایسا پا بے۔ مگر سرکار عالم پناہ نے بھائے ان کے خطوط امیر سے باقاعدہ میں دے دیئے اور ایک خط ملاماۃ فرمانے لگے۔

اس روز سے یہ خدمت بھی مجھ کو نصیب ہوتی کہ روزانہ ڈاکخانہ سے خطوط لا کر خدمت والا میں پیش کرتا تھا اور جس خط کے جواب میں جواز نہادہ ہوتا تھا وہ اللہ ریا کرتا تھا۔ عرصہ تک تو بھی صورت رہی۔ مگر پھر حضور نے فرمایا: ”تم پڑھ کر خلاصہ اس کا نہادہ کرو کہ کس کا خط ہے اور کیا مضمون ہے؟“ چنانچہ پہنچ رہا کہ مخصوص خداں کر جو جواب میں ارشاد ہوا وہ اللہ ریا کرتا تھا لیکن بعد کو یہ تااعدہ بھی عارضی ناہت ہوا۔ کیونکہ پھر مضمون سکر پر فرماتے تھے کہ جواب اللہ ہو۔ میں جواب لکھ کر نہادیا کرتا تھا۔

چونکہ عموماً خدام کا بھی کام تھا کہ ہدایت وقت حضور کی طبیعت بہلانے کی کوشش کرتے تھے اور اگر کسی کی ہاتوں پر یا کوئی شخصی کا سلام کسی نے ایسا پیش کیا کہ قبلہ عالم نے قسم فرمایا تو اس آن واحد کے مسکرا نے کو وہ خادم اپنی میں کامیابی اور سرمایہ فخر و بہاثت سمجھتا تھا۔ بوجہت کا خاص تقاضا ہے اسی خیال سے میرا بھی یہ معمول تھا کہ شب کو جناب والا جب خاصہ نوش فرماتے تھے تو اُن وان لیکر سامنے حاضر رہتا تھا اور بعض مجاہدیب کا تذکرہ یا قلندرانہ مذاق کے جملے عرض کرتا تھا کہ حضور محبوب ہوں اور وفات کے زیادہ تباول فرمائیں کیونکہ خدا آپ نے بہت کم کردی تھی اور ہنور شعف سے چلنے میں پاؤں کا غرض ہوتی تھی۔

میں نے یہ بھی اختیار کیا تھا کہ ایک بجے دن کو چونکہ اکٹھنیک رہتا تھا اس وقت سرکار عالم پناہ کی پستگانی کے واسطے مشاکیں عظام کا عاشقانہ کلام نہادا تھا۔ چنانچہ ایک روز والد مر جوم کی غزل جس کا مطبع یہ ہے۔

ما کافر عشقِ شم وَرْ کار نہ دارِ شم

از کفر وَرْ اسلام سرکار نہ دارِ شم

(میں کافر عشق ہوں اور اس کے سوا مجھے کچھ کام نہیں اور کفر و اسلام کچھ سروکار نہیں رکھتا ہے) پڑھنا شروع کی تو حضور نے پہلا شعر کرنا پیدا و سنت مبارک بلند کیا اور فرمایا کہ یہ کس کی غزل ہے؟ عرض کیا کہ والد مر جوم نے تکمیلی تھی۔ ارشاد ہوا: ”وَهُ فقیر تھے۔“

لیکن خواجہ امیر خسر و علیہ الرحمۃ کا کلام حضور کو زیادہ پسند تھا۔ بلکہ اکثر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”مریب ہو تو ایسا ہو۔“ جیسے امیر خسر و اپنے بیوی کے مریب صادر تھے مگر بیوی کو بھی لازم ہے کہ اپنے خلوص و محبت سے مریب کی نگرانی کرے کہ ماہین بیوی و مریب تجاذب غیر بیت نہ رہے اور باہم اتحاد بلکہ عینیت ہو جائے کیونکہ بیوی و مرشد کا رشتہ اپنا ہے جیسے باپ اپ اور بیٹا یا استارا ورستاگرو۔ یا شوہر اور بیوی جو متھر اور باہم خیر انداز ہوتے ہیں۔ یہی صورت بیوی و مریب کی ہے۔ بیوی کی عنایت و شفقت ہی سے مریب کے دل میں اطاعت و محبت کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور بالآخر یہی اطاعت و محبت اس کو فائز المرام کرتی ہے۔

بیوی و مریب کو اگر باپ اور بیٹا قیاس کیا جائے تو اسی کے ساتھ یہ بھی بحکوم وہ مجازی باپ ہے اور بیوی و حانی باپ ہے۔ وہ جسمانی نشوونما کے واسطے اگر لذیدندا کمیں مکھلاتا ہے تو یہ رو حانی عروج و قرقی کیلئے نہایے معنوی سے پوشش کرتا ہے وہر وقت اگر امراض جسمانی سے محفوظ رکھتا ہے تو یہ ہر آن انحوں نہایے شیوه حانی سے نگہداشت کرتا ہے۔ بیٹا اپنے باپ کے اموال ظاہری کا مالک ہوتا ہے۔ مریب اپنے بیوی کے علم بالطفی کا مستحق ہے جس طرح بیٹا اپنے باپ کی نشانی بھائی طرح مریب اپنے بیوی کی زندگی دیگار ہے۔

اور اگر بیوی کو بجائے استاد اور مریب کو شاگرد تصور کرو تو یہ تمثیل بھی صادق آتی ہے کہ استاد اپنے قتوں سفینہ سے شاگرد کو فائدہ پہنچاتا ہے اور بیوی علم سینہ کے قبوض وہ کاماتے قبوپیش فرماتا ہے۔ یا استاد مجازی ہے جو شاگرد کو علم ظاہری سے ماہر کرتا ہے اور بیوی چونکہ معلم حقیقی ہے وہ مریب کو معنوی تربیت سے شائق ہوتا ہے۔ جس طرح مجازی استاد کی تعلیم سے مختلف لغات و معلوم ہوتے ہیں اسی طرح حقیقی معلم کی توجہ نکات حقیقت اور روزہ عرفت سے آگاہ کرتی ہے۔ مجازی استاد کی عنایت سے شاگرد وہیں خیال ہوتا ہے حقیقی استاد کی ہدایت سے مریب کا مکدر قلب نورانی ہوتا ہے۔ استاد بھی اپنے شاگرد کی نگرانی کرتا ہے اور بیوی بھی اپنے مریب کا معاون و ملکیت رہتا ہے۔

**وَسْتَ بِهِ ازْ غَابَانَ كُوَّاهَ نِيمَت**

**وَسْتَ اوْ جَزْ قَبْضَ اللَّهِ نِيمَت**

(بیوی و مرشد کا ہاتھ ناگین (مردان غیب) سے چھوٹا نہیں اور اس کے ہاتھ پر اللہ کا قبضہ ہے)۔  
خالی ہزارن و شوہر کا اتحاد اور بیوی و مریب کا تعلق بھی تقریباً یکساں اور بہت مشابہ طور  
ہوتا ہے کہ جس طرح باہم میاں اور بیوی ہم راز ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیوی مریب کی حالت سے

خیر و اور مرید بھر کا رازدار ہوتا ہے۔ بلکہ ظاہر ہے کہ جب تک زن و شوہر میں حباب رہتا ہے۔ نکاح کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہی صورت بھر و مرید کے تعلقات کی ہے کہ جب تک مرید محبوب ہے۔ بھر کے فیوض و برکات سے مستفید نہیں ہو سکتا اور یہ حباب درحقیقت خود پرستی کلام ہے۔ البتہ اس حباب غیر یہ تکمیل کو صرف محبت کا باقاعدہ اعتماد کرتا ہے اور جب یہ حباب انھو جاتا ہے تو مرید کو تصدیق ہو جاتی ہے اور جوش و جد میں زبان حال سے کہتا ہے:

ماک ازین العیسیٰ حق العیسیٰ راویدہ ایم

از دلیل علی و تکیک ربہن فارغتم

﴿میں نے یقین کی آنکھ سے یقینی حق کو دیکھا ہے اس لئے میں ہر قسم کے شکوہ و شہزادے اور دلائل ہمایہن سے فارغ ہوں﴾

اور یہ تو مسلمہ ہے کہ محبت کا نتیجہ آفرینی نہیں ہے جس کی شہادت خواجہ امیر خسرو کی حالت سے بخوبی ملتی ہے کہ صرف ان کے خلوص نے ان کو اس مرتبہ پہنچایا کہ آج بھر پرست ہونے کا مخصوص شرف بھی ان کو حاصل ہے اور مرید صادق کا ممتاز خطاب بھی ان کے مامنای کے ساتھ ہے لیکن

ایں سعادت بزور بازو نہست

نا نہ مخدود خدا نے بخشندہ

﴿یہ سعادت و خوش بختی بزور طاقت حاصل نہیں کی جا سکتی اور یہ اللہ کے لطف و کرم سے ہی ملتی ہے۔﴾

ایک روز خدمات مقررہ کی انجام دہی میں مشغول تھا کہ حضور نے مجھ کو دیکھا اور از راه بندہ نوازی فرمایا کہ ”تم اپنے والد کا عرس کرو۔“ میں نے بکمال ادب مرغ کیا کہ ابتداء سے یہ را یہ خیال تھا کہ جب تک پھر ایوں میں رہوں گا عرس بھی کروں گا پوکا باب یہ راتیم وہاں نہیں پہاڑنے عرس کے انتظام سے بھی مجھ کو کوئی تعلق نہ ہو گا چاہیے۔ لیکن حضور نے سکر فرمایا ”نہیں وہ فقیر تھے۔ جا گا اور عرس کا انتظام کرو۔“ اور خاص سے ارشاد ہوا۔ ”چیزی ہوتی چاہرہ تو لاو۔“ فیض شاہ نے چند چادریں پیش کیں۔ جناب والا نے تین چادریں جن میں روگانی اور ایک بیجنی رنگ کی تھی یہ فرماسکر مجھ کو مرحمت فرمائیں کہ ”ہماری طرف سے چپے حادیباً چنانچہ حادی بعده کوئی دیوبنی شریف سے روانہ ہو اور پھر ایوں پہنچ کر عرس کا انتظام شروع کر دیا اور حسب معمول ۱۲ ڈی الجھ کو انتظام عرس کے روز ایک گلابی چادر سربراہ شاہ کے

مزار پر اور بیجتی چادر والد کے مزار پر چڑھا دی گمراہیک گلابی چادر باتی رہ گئی کیونکہ اس وقت تک روہی مزرا تھے۔ تاہم وہ چادر اس خیال سے میں نے محفوظ رکھی کہ یہ بے کار نہیں آتی ہے ضرور اس میں کوئی راز مختصر ہو گا۔

پیشوا کے بھن کی امداد سے یہ عرس بھی نہایت خوبی کے ساتھ ہو گیا بلکہ گذشتہ عرس کے اخبار سے کسی قدر انتظام زائد کرنا ہوا کیونکہ مهمان بھی زیادہ آئے اور اعلیٰ قصبه نے بھی غیر معمولی رُکپسی میں۔ چنانچہ ۱۹ ذی الحجه کو قتل ہوا اور ۲۰ ذی الحجه کو میں دیوبئی شریف واپس آیا اور بدستور اپنے فرانگی منصبی ادا کرنے میں مصروف ہو گیا۔

لیکن اتفاق سے ۱۳۶۱ھ جمادی الاولی پھر آیا تو حافظہ ملی بخش صاحب نے جو مسجد سہرا ب شاہ کے قریب رہتے تھے۔ اپنا یہ خواب مجھ سے بیان کیا کہ ایک شب کو میں نے دیکھا کہ احاطہ کی شرقی دیوار افتادہ کی طرف سے مسجد میں آما چاہتا ہوں تو مجھ کو یہ کرشمہ نظر آیا کہ ہر دو مزار کے مابین مکھریا کے درخت کے نیچے ایک درویش تہبند پوش اور گیمودور از شیر کا نکیہ لگائے تھے میں ہیں۔ وہ شیر مجھ کو دیکھ کر حملہ آور ہوا تو میں بھاگا اور پھر دروازہ کی جانب سے آئے کا تصد کیا تو دیکھا کہ وہی شاہ صاحب اسی بیت سے صحن مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اس وقت میں نے آپ کو پکارا اور آپ مسجد سے باہر آئے تو وہ شیر بھی اور شاہ صاحب بھی اسی درخت کے نیچے روپوش ہو گئے اور آپ نے کہا کہ ذر و نہیں یہ شاہ صاحب کا مزار ہے اور شیر ان کی سواری کا ہے۔

یہ خواب سخن دوسرے روز اسی مقام پر قریب ایک گزر گیت کھد والیا تو ایک قبر نظر آئی۔ میں نے اسی وقت نام اچوڑھری حبیب اللہ خان صاحب اور ماںوں حاجی اشغال حسین خان صاحب اور بھائی چوڑھری ظفر الدین خان صاحب اور ماںوں چوڑھری حافظ عبدالجید خان صاحب کو پلا کروہ قبر دیکھائی اور مشورہ کیا تو سب نے بالاتفاق کہا کہ اس کو بلند کر کے بناویتا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی قیام الدین صاحب کے فرق سے وہ قبر بھی بلند کر دی اور تینوں قبروں کے چهار جانب پنجتہ چھوڑہ بنوایا اور اس وقت وہ تیسری چادر جو میرے پاس محفوظ رکھی اس نوہ آمد قبر پر چڑھا دی اور معلوم ہوا کہ اس میں یہ راز مضمرا تھا کہ جو قبر ہماری آنکھوں سے پوشیدہ تھی۔ وہ حضور کے پیش نظر تھی۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ:

مصلحت نیست کہ از پرده ہے ون افتراز

ورہ در مجلس شہابان خیر نیست کہ نیست

فراز آشکار کرنا قرین مصلحت نہیں ورنہ ان شاہوں کی حفل میں "نہیں" کسی چیز کا نام نہیں بھی  
انہیں ہر بارہ پر دسترس ہے۔

بعد کوئی نگرانی سے حلوم ہوا کہ ہر چند سو راب شاہ قادر یہ سلسلہ کے درویش اور رحمت  
الله شاہ صاحب کے مرید تھے لیکن ان کے سلسلہ چشتیہ کے پھر طریقہ کا یہی مزار ہے اور یہ مسجد بھی  
انہیں کی ساختہ ہے۔

الف) حاصل ۲ جہادی الثانی کو دیوبی شریف میں حاضر ہو کر شرف قدبوی سے مشرف ہوا  
اور جدید قبر کا خاہیر ہوا بھی خدمت والا میں عرض کیا اور چند ماہ کے بعد اس سال کے عرس کا انتظام  
بھی اسی طریقہ سے کیا کہ حسب اجازت بنا ب حضرت ۲۴ ذی قعده کو پھر ایوں گیا اور بعد انتظام  
عرس ۱۹ ذی الحجه کو دیوبی شریف واپس آگیا۔

خلی بذا اسی عرس کے سلسلہ میں ۱۳ ذی الحجه ۱۳۷۲ ہجری کو پھر ایوں گیا اور حسب  
و مقرر ۲۴ محرم سے عرس شروع ہو کر ۱۶ نومبر کو فتحم ہوا اور ۱۸ نومبر کو معاشر چند اعزاء اور ان کی  
مستورات کے پھر ایوں سے روانہ ہو کر ۱۹ محرم کو دیوبی شریف میں جس وقت پہنچا اور خدمت  
بائیکرت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ زکام کی وجہ سے گونہ ہمارت اور کسی قدر آواز بھاری  
ہے۔ ہر چند یہ شکایت ایسی نہ تھی کہ باعث تر وہ مگر خدام کو غیر معمولی طور پر منتشر پایا تو مجھ کو بھی  
یہ خیال ہوا کہ مزان ناساز ہے۔ مہماں کو قدبوی کا موقع بہت کم ملے گا اور خصوصاً عورتوں کی  
حاضری تو یقینی روشنار ہو گی۔ اسلئے جو میرے ہمراہ آئے ہیں ان کا جلد سے جلد واپس  
چالا مناسب ہے چنانچہ دوسرے روز سب کو خصت کر دیا۔

چونکہ شیدا میاں بھی بغرض شرکت عرس پھر ایوں گئے تھے اس لحاظ سے حضور نے  
مجھ سے دریافت فرمایا کہ "شیدا کہاں ہیں" عرض کیا کہ وہ لکھنو میں پھر گئے۔ ارشاد ہوا کہ  
"تاروکر بہاؤ" حسب الحکم اسی وقت تاریخ اور اور راست کی گاڑی سے شیدا میاں بھی نہایت  
متوحش اور منتشر آئے اور تپ میں ترقی دیکھی تو ۲۴ محرم کو مختلف مقامات پر عالمات کی اطلاع  
ہڈ ریجستان روی گئی اور ۲۲ سے ۲۳ تک پندرہ سے مولوی محمد بیگی صاحب اور جسٹس سید شرف الدین  
وھرم پور سے نواب عبدالکوہر خان صاحب عیگز ہے سے باپوتیالی صاحب اور حافظ حسن خان  
صاحب، شیخ سلطان پور سے راجہ دوست محمد خان صاحب، زمانیہ سے حاجی وصی الزمان خان  
صاحب آگئے اور علاوہ ان کے جس کو حلوم ہوا کہ حضور کا مزان ناساز ہے وہ فوراً حاضر  
ہوا۔ چنانچہ روزہ روز میں درروالت پر غلامان وارثی کا جووم ہو گیا اور سب کی متفق رائے سے ۲۴ محرم

کو حکیم عبدالعزیز صاحب للہفتو سے بلا نے گئے اور با تابعہ علاج شروع ہوا۔  
حکیم صاحب نے ذات الحجہ تجویز کیا اور ایک لشک خیسندہ کا اور ایک قیر وہی کا لکھا  
جس کو نواب عبداللہخورخان صاحب نے اپنی مگرائی میں اسی وقت تیار کر لیا اور وہ ساز مخصوص کے  
بکھر ہر ایک لشک بکمال احتیاط اپنے سامنے ہواتے تھے اور یہ سعادت انھیں کو انسیب ہوئی کہ  
آٹھ وقت تک اس حدودت کو جناب موصوف نے انجام دیا۔

لیکن با وجود یہ رفتہ خیسندہ بھی استعمال ہوا اور قیر وہی کی متواتر اشیش بھی کی گئی  
مگر کسی قسم کا فائدہ محسوس نہ ہوا بلکہ ۲۷ رینگ کو جب بجائے افاق کے مرٹیں میں ترقی دیکھی اور  
ضعف بھی زیاد ہو گیا۔ اس وقت حکیم صاحب نے نہایت غور و فکر کے ساتھ لشک میں کافی ترمیم کی  
اور تقویت کے واسطے سپہر کو جواہر مہرہ معتقد بھی کھلایا۔ مگر شب کو تپ پرستور رہی اور اخراج  
بلغم میں بھی کوئی آسانی نہ ہوئی حتیٰ کہ ۲۸۵ رینگ کو بھی شدائد مرٹیں بدستور رہے تو حکیم صاحب  
نے خیسندہ کا لشک جدید کھانا اور مختلف طور پر خارجی تدبیریں بھی کیں۔ ”مگر وہن با دام خلکی می  
نمود“ کا مخصوص بیان آیا کہ بجائے فائدہ کے مرٹیں بڑھتا گیا۔

۲۶ نومبر کو مریدین و معتقدین کا در دولت پر اڈ و حمام تھا اور اس مجمع میں چونکہ ہر طبقہ  
کے لوگ تھے جن میں وہ پانچ مقتدر طبیب بھی تھے۔ ان کی رائے یہ ہوتی کہ حکیم عبدالعزیز  
صاحب حاذقی اور تجربہ کار طبیب ضرور ہیں لیکن چار روز کے مسلسل علاج سے جب کوئی افاق  
محسوس نہیں ہوتا بلکہ روزہ روز شدائد مرٹیں میں ترقی ہے اور جس رفتار سے ضعف ہڑھ رہا ہے اس  
کو خطرناک کہا جائے تو یہ جانہ ہو گا۔ اسٹے مناسب طالع ہوتا ہے کہ اب دوسرے طبیب سے  
رجوع کیا جائے ورنہ خدا نخواستہ حرارت فریزی میں آئندہ انتظام ہوا تو پھر اس کا بھی موقع نہ  
رہے گا۔

چنانچہ دیگر مقتدر حضرات نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور بالآخر خاندان ملت نے یہ  
تجویز کیا کہ حکیم عبدالحی صاحب رئیس قصہ ہوا جو نہایت قابل طبیب ہیں اور بجا ہو اعتمیدت  
جناب والا کی عیادت کے واسطے حاضر بھی ہوئے ہیں۔ ان کا علاج کیا جائے۔

الغرض اسی وقت سے علاج تبدیل ہوا۔ غلامان وارثی نے بکمال شکر گزاری حکیم  
عبدالعزیز صاحب کو خصت کیا اور حکیم عبدالحی صاحب نے اس احتیاط سے لشک مرتب کیا کہ وہ  
غلامان وارثی جس کو فن طب میں کافی و ترس تھی اور اپنے اپنے والیں میں مشہور طبیب تھے ان کو بھی  
شرکیک کیا اور ہر امر میں ان سے مشورہ کیا اور وہ بھی اپنے ہاتھ سے تیار کی جس کے استعمال سے

گونہ سکون اسی روز ہوا اور ۲۸ نومبر کو تو خلاف امید اسقدر را فاقہ ہو گیا کہ تپ بھی بہت خفین آئی اور پغمبھی آئی سانی خارج ہوا پر دیکھ کر جملہ حلقة گوش صورت کے جوش میں سجدہ شکر بجا لائے اور امید ہوئی کہ اب صحبت میں ترقی ہو گی۔

اس روزان میں جس طریق سے علان میں اہتمام بلغ تھا اسی صورت سے اس کی بھی کامل احتیاط تھی کہ حسنور کے گرد و پیش بچو خدام اور تمارا روس کے عام لوگ مجتمع نہ ہوں اور تمارا راجہ زیادہ بلند آواز سے با تمیں نہ کریں جو درحقیقت قتل آسا کش اور باعث تکلیف ہوتی ہیں۔ ہبیں وہی یا انتظام تھا کہ عام طور پر لوگ حاضر نہیں ہو سکتے تھے اور روزانے درروخت پر اعلیٰ ارادت شوق زیارت میں بے جسمیں تھے لیکن مزان ہمایوں سے اس فاقہ اور سکون سے ان کو یہ موقع مل گیا کہ خدمت بام کت میں حاضر ہو کر حلقة خلائی میں داخل ہونے لگے۔ اسی اثناء میں ایک شخص درہ خیر (انگانستان) کا باشندہ نہایت مخاطر ویقرار حسنور کی خدمت میں پرانے وار حاضر ہوا۔ بقول

### عاشقان سوئے حضرت شدست عقل در آشیان و جان برداشت

«عاشق ان کی جانب کچھ اس کیف و مسٹی اور بذبب سے جاتے ہیں کہ عقل کو ظراہرا ذکر کے جان بھیلی پر دھر لیتے ہیں۔»

اور آہ بیہہ ہو کر زبان پشوٹ میں کچھ عرض کیا جناب حضرت نے اس طالب صادق کو تہبید فقر مرحمت فرمایا اور شاہ خطاب عطا ہوا اور ارشاد ہوا "جاو۔ سیر کرو، دوسری صورت نہ دیکھنا۔" اس حق نیوش نے حالت وجود جوش میں قدم ہوں ہو کر عرض کیا:

### چگونہ شکر توان گفتہ این کرامت را کہ خلعت شہ نالم جین گدا بمسد

و آپ کی اس کرامت کا شکر یہ کیسے ادا کروں کہ شاہ عالم کی خلعت فاخرہ اس فقیر تک پہنچی ہے۔

قدیم خدام سے حلوم ہو کر پہلے بھی یہ طالب را فقر حاضر ہوا تھا اور تعلقات دنیا سے دست بہار ہوا چاہتا تھا جناب حضرت نے اس کی بیعت توئی۔ مگر خرقہ کی نسبت یہ فرمایا کہ رخصت کر دیا تھا کہ "آجھی جاؤ تین برس کے بعد آما۔" اس وقت تہبید بھی دیجئے۔ "چنانچہ وہ س سالہ بہت اب ختم ہوئی تھی کہ وہ خدا شناس پھر حاضر ہوا اور ہمارے سارے الاقرار پیشوا نے اپنا

و بعد وفا کیا کہ نکلعت فقرہ اور خطاب شاہی مرمت فرمائیں کہ اس کو فناز المرام کر دیا۔

ہر چند اس انعامی کی پہلی حاضری کے واقعات بھی عجیب و غریب خررو ہیں لیکن بخوب طوال اس ان کو چھوڑ کر اسی قدر عرض کرنا ہوں کہ اس باخبر اور ذمی ہوش تہبند پوش کا ایک غیر معمولی واقعہ یہ ہے کہ جب خرتہ وارثی پہن کر چاہ تو پہلے دروازہ تک جاتے ہر شخص نے دیکھا مگر صدر دروازہ پر گو متعدد حضرات موجود تھے اور بھتی میں اور بھتی کے باہر اشیش تک آئندہ درونہ کا سلسلہ ایسا تھا کہ نا عالت کسی وقت بند نہ ہوا مگر یہ تہبند پوش نہ دروالت پر کسی سے ملا اور نہ بھتی میں کسی سے ملا تھا ہوئی اور نہ راستہ میں اشیش تک کسی نے اسکو دیکھا۔ بلکہ ہنوز پہنچیں، حلوم ہوا کہ یہ سیاح زندہ اور کہیں مقیم بھی بے یا جان بحق تسلیم ہوا۔ چنانچہ عمدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر اس قدر راس مفتقہ والخبر کے حسب حال ہے۔

ایں مدعاں در طبیش تجیر اند

کا زاگ خیر شد خیش باز نہ آمد

(\*) طالب اپنی طلب میں کچھ اس طرح مختلس ہیں کہ جسے کچھ بزرگ طبق ہے پھر کسی کو اس کا پتا نہیں ملتا۔

۲۹ محرم کو بھی حکیم عبدالجی صاحب کا وہی نسخہ دیا گیا اور جناب والا کی طبیعت چونکہ بیٹھ دیکھی تو اکثر اعلیٰ ارادت حاضر خدمت ہوئے اور راہنمائے برحق نے ان کی حمایت اور دشمنی فرمائی۔ ناگاہ ایک معمرا دھرنا کم شاہی بھی حاضر ہوئے اور قد ہوں ہو کر منکرات میں شاید کوئی اشلوک پڑا جس کے اثر سے خود مکیف ہو گئے۔

چنانچہ جناب والا نے باوجود اس ضعف و نقاہت کے اس طالب صادق کو اقرار تو حید اور تلقین استغفار کے بعد اپنے سلسلہ میں داخل کیا اور پوچھا کہ تمہارا کیام ہے؟ سادھو بھی نے عرض کیا اسے مرشد ذمی اساس اس بے بناست فتحی کو شیم داس کہتے ہیں لیکن یہ لقب تو محاذی ہے حقیقی نام اس ناجی نلام کا وہی ہو گا جو حسنور تجویر فرمائیں گے بقول:

بندہ را نام خونگش نبود

ہرچہ ماں لقب کنی آئم

(\*) بندے کا اپنا کوئی نام نہیں جو لقب آپ مجھے دیں گے میں وہی ہوں۔

جناب حضرت نے اس حق نواس کی حالت پر مزید عنایت فرمائی کہ نکلا وہ واراثت قلبی کے اس کے ظاہری لباس میں بھی تبدیلی منظور ہوئی۔ خادم نواس سے ارشاد ہوا کہ ”تہبند

اور لگوٹ بھی ان کو زیریں فرمائیت ضعیف آوارے اس عاشق جانباز کو یہ نہایت فرمائی کہ اب تمھارا مام رسول شاہ ہے۔ دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرنا اور خدا کی محبت میں جان رینا۔ ”۔ چنانچہ اسی سال طلب الہی میں رسول شاہ صاحب کو معظمہ سمجھے اور حج بیت اللہ سے مستقیض ہوئے بقول

**مور مسکین ہو سے واشت کہ درکعبہ رسد**

**دست در پائے کبڑا زد ناگاہ رسد**

﴿بے چاری چیزوں کعبہ جانے کی آرزو مندرجہ وہ کبڑے کے ہیروں سے پست گئی اور ہشم زدن میں وہاں جا پہنچی﴾

پلک بعد ادا واعظ حج مدینہ منورہ کے راستہ میں ان کو یہ سعادت انصیب ہوئی کہ وصل یار کی جستجو میں اس دارفانی سے ملک چاولیاں کو روائی ہوئے۔ سبحان اللہ ایک ساعت کے فیضان صحبت نے خاک سے پاک کر دیا۔ جو ایسا میں مسکن گزین ہوئے۔ حیات اپنی پائی۔ یہاں اپر ہو گیا۔ سچ ہے بقول سعدی طیہۃ رحمۃ:

**دست در دامن مردان زن و اندیشہ مکن**

**ہر کہ بانو ح نشید چ غم از طوفان**

﴿ہبائجہ میں مرد کا دامن تمام لے اور کوئی اندیشہ مت کر جو کوئی سفینہ نوح میں سوار ہوا سے طوفان سے ڈرانے کی گیا ضرورت ہے۔﴾

علی ہذا اور متحدد داراً تحدید بھی خدمت بامہ کت میں حاضر ہوئے اور ان کو بھی جتاب حضرت نے داخل سلسلہ فرمایا لیکن بعدز وال حسنور کی طبیعت پھر مختخل اور نہ حال ہو گئی۔ حکیم صاحب نے دیگر تداریخ سے اشتد اوپ کو روکنا پاہا مگر ان کی کوئی کوشش موڑ رہ ہوئی اور تمام شب مزاں جسد سورا ساز رہا۔ ۲۳ مارچ کو بدستور حج کے خیماں کے ساتھ بعض محرمات کا بھی استعمال ہوا مگر جب کوئی فخر سو وہندہ ہوئی تو حکیم صاحب مایوس ہو گئے اور کہنے لگے کہ طبیعت استغفار ضعیف ہے کہ وہاں پانچ میل نہیں کر سکتی۔

اس عرصہ میں حکیم نصیر الدین صاحب وارثی متولی اماؤہ نے نہایت پر جوش الخاط میں جملہ حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ شام سے میں یہاں حاضر ہوں اور بار بار یہ خیال گزرتا ہے کہ میں نے نہیں طلب کس دن کیلئے حاصل کیا ہے۔ اگر آج چھتوائے دین کی معمولی خدمت سے بھی محروم رہا تو میری اس حلمات کا عدم وجود ہے اور یہ بھی ہے۔ لہذا مستدی ہوں کہ آپ

حضرات از راه عنایت مجھ کو استقدار اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں بھی قسمت آزمائی کروں اور ایک نئے لکھوں جس کو پر مقنود معاون بھی ملاحظہ فرمائیں اور بعد ترمیم و اصلاح اگر مناسب متصور ہو تو اس کا استعمال کیا جائے ورنہ چاک کر دیجیے گا۔ حکیم نصیر الدین صاحب کی اس خلوص آمیز انفراری کا ایسا گہرا اثر ہوا کہ اخوان ملت نے بالاتفاق کہا کہ حکیم صاحب آنے والا افراطی حیثیت ہم نلامان وارثی کو یا متحقاق مساوی ہے کاپنے رہنمائے کمال کی محنت و تندرتی کے واسطے جو اکانی کوشش ہو ضرور کریں۔ اصلیہ ہمارا یہ خیال ہے کہ حنور کی محنت کی نسبت کوئی خدمت ایسی نہیں۔ علوم ہوتی جو ہمارے دوش بدوش آپ نہ کر سکتے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ یہ کا خلوص آتا ہے ہمار کو پسند آجائے اور وہ بندہ نواز محنت ظاہری کی جانب طبیعت رجوع فرمائیں۔ لہذا ہم خوشی کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ جس طرح آپ نے اس مبارک خیال کا اظہار کیا ہے اسی طرح بغیر کسی انتظار کے لئے کی تر حیب میں عجلت فرمائیے۔ بقول:

آن دم ک دل عشق دی خوش دے بود  
درکار خیر حاجت، یقی استخاره نیست

﴿جس لحظہ دل عشق کو دے دیا جاتا ہے وہ بہت خوش قسمت لمحہ ہوتا ہے اور نیک کام میں استخارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔﴾

چنانچہ حکیم صاحب موصوف نے اسی وقت ایک نئی پیمنے، ایک جوارش کا، ایک گولیوں کا، ایک قیر و می کا، ایک لٹلنگ کا لکھا جس کے ہر جزو پر حکیم یعقوب بیگ صاحب، حکیم عبدالجی حاصل، حکیم منصب علی صاحب، حکیم جیل الحق صاحب نے غور کیا اور ان حضرات کے مشورے سے تھوڑی ترمیم کے بعد ہر ایک نئے کمل سمجھا گیا اور فوراً ان کی تیاری کا انتظام ہوا اور بعد عصر پہلی خوراک پلاوی گئی۔

اب ہر شخص ہمہ تن گوشہ را آواز تھا کہ انقریب یہ مژده سنیں گے کہ حکیم نصیر الدین صاحب کا علاج موافق مزاج ہوا مگر ہماری بد شفیتی سے معاملہ ہر عکس ہوا کہ بجائے سکون کے شدائد مرغی میں ترقی ہوئی اور ہور شفع سے حنور نے ناموٹی اختیار فرمائی۔ اگر کسی وقت کوئی بات کی بھی تو ایسی شعیف آواز ہے کہ جس کا سلنا اور سمجھنا بھی خدام کو دشوار تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اطہاء شکر ہوئے اور اکثر تذہیبیں کیسی مگر کوئی کوشش بکار آمد نہ ہوئی۔

ہر چند شدائد مرغی ماتقابل برداشت تھے لیکن حنور نے کمال استقلال سے وہی عاشقانہ شان دکھلائی جو آپ کے مسلک کی مخصوص صفت ہے کہ بجز حکمت و حجت کے آپ کے کسی

غفل سے اخطر ارکا خمنا بھی اظہار نہیں ہوا۔ بلکہ اطباء نے بھی اگر پوچھا کہ مزان کیسا ہے تو نہایت اطمینان سے ہی ارشاد ہوا کہ اچھا ہے۔ لیکن اور سرانجام تو اعضا کو تصریح کیا تو قبلہ عالم نے بھلا بھی کسی تکلین کا ذکر کبھی نہیں فرمایا اور کسی حالت میں حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔

بلکہ اس عالالت پر موقف نہیں ہے۔ حسنور کا صبر و تحمیل ہمیشہ آبائی رشاد و تسلیم کا نمونہ رہا جس اور آپ کے عادات میں ہے کہ بھی مرش کا اظہار نہیں کیا اور نہ بھی اس کے درستے یقین رہے۔ خدام کو انداز سے اگر کسی تکلین کا انتیاز ہوا تو پا صرار تمام علاج کیا۔ وہی صورت اس عالالت میں پیش آئی کہ حسنور نے کسی تکلین کی تصریح نہیں فرمائی اور اس آفری لمحہ کے استعمال کے بعد بھی جو مرش کی شدت ہوئی اور تغیر سے اس کا ازالہ نہ ہو سکا تو شاید اس کا بھی سبب ہو کہ شکایت کا گلیظہ الکشاف نہ ہوا اور اطباء مجبور ہو گئے حتیٰ کہ حرارت غریبی سرعت کے ساتھ انحطاط پذیر ہوئی اور امید صحت منقطع ہونے لگی۔

عصر کے بعد شدت ضعف سے ابتکام انسان میں غیر معمولی تغیر ہوا اور وہ ذکر خاص جس کا اخفا حسنور نے ہمیشہ بکمال اختیار فرمایا تھا۔ بُطْهَ کی وجہ سے اس کا اظہار ہو نے لگا اور اسی دوران میں بعض ایسے کلمات بھی جناب حضرت نے فرمائے جن کے مشتموم سے خدام نے یہ قیاس کیا کہ شاید اسی رات کے آفری حصہ میں ہماری حسرت میں پا مال اور ہمارا شیرازہ ملکر ہو جائے گا چنانچہ بعد مغرب اس حالت میں اور ترقی ہوئی اور وقتاً فوت ہماری بد نصیبی کے آثار پڑھتے گئے۔

نصف شب کے بعد اطباء نے بلحاظ پرہیز ایک ہفتہ سے پانی کا استعمال جو منوع گردانا تھا۔ وہ اختیار غیر ضروری بھی اور حسنور کو پانی پلایا گیا لیکن قابل حیرت یا امر ہے کہ ہر چند ضعف پہلے سے اس وقت بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ مگر دفعہ آپ کے مقدس انسان تیز رفتار بھی ہوئے اور توئی آواز سے اثبات حضرت احادیث جل جلالہ کا اظہار کرنے لگے جس کا جملہ حاضرین پر بھی خاص اثر ہوا اور اس فیضان وارثی سے ہر شخص بقدر حیثیت مستفیض ہوا لیکن ہم بے کے بعد حکیم یعقوب بیگ صاحب نے بیض دیکھی تو بیتاب ہو کر وہ نے لگے فیضو شاہ صاحب بشر بہت امار میں پانی ملا کر لائے اور ایک چھپے حسنور کو پلایا مگر دوسرا چھپے تو وہ فروند ہوا۔

اس وقت میں بھی جناب والا کے پاس حاضر تھا اور ایک ہاتھ سے سر القdes کی حرارت اور ایک ہاتھ سے قلب اظہر کی حرکت دیکھ رہا تھا اور فیضو شاہ صاحب بھی قریب بیٹھے

تھے اور شیدا میاں اور بابونیا لال صاحب چہرہ اقدس کے سامنے اور حافظاً محمد شاہ صاحب پاکیں  
کفرے تھے اور قریباً پچھا سانچو حلقوں گوش مزورب اور خاموش استارہ تھے کہ ماگاہ سرکار عالم  
پناہ نے ایک تینیں سانس پیشی اور قریب قریب پندرہ ہیں منٹ کے بعد جب وہاں ہر لفڑی تو صاف  
طور پر دیکھا کہ وہ سانس بر گک بہزا اور قبلہ عالم کی ہم شبیہ تھی جو قیامتِ غیری سے جدا ہو گر شہب  
جھوکوسا چار بے واصل ذات حضرتِ لوہیت ہوئی۔

اَللّٰهُ وَائِلٌ لِّلْجٰمٰعٰن -

## حیف و رجشم زدن صحبت پار آخوند

روزگل سیر ندیدم و بیمار آخوند

فوس اپک جھکتے ہی وصال یار کی گھریاں بیت گئیں اور ابھی جی بھر کے چڑھا گل دیکھا بھی نہیں تھا کہ موسم پھر تمام ہو گیا۔

لیکن اس ساتھ قیامت خیز کے بعد حاضرین کی حالت ایسی ہجرت انگیز نظر آئی جو عجیب بلکہ عجیب تر تھی۔ اسلئے کہ فراق یا رعموماً شاق ہوتا ہے چہ جائیکہ ایسے شاہد لاموازکی مفارقت غیر معمولی مصیبت تھی اور یہ دردناک حادثاً اگر ارادتمندوں کو اس وقت بلاک کرو دیتا تو بعید نہ تھا۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا خڑمن مرد و ہمیشہ کیلئے جاہ و برہا وہ ہو گیا۔ گل بھوکان پر میش کے مام سے موسم تھا۔ آج وہ بیت الحزن اور ماتم کردہ بن گیا لیکن یہ کسی قوت کا مدد کا کر شد تھا کہ جملہ حلقة گوش دم بخورد ساکت اور خاموش ہو گئے۔ اگر یہ مگان کیا جائے کہ کثرت غم اور فور حزن و مال کے اثر سے ان کا یہ حال ہوا کہ متجمد و مہبوت ہو گئے تو یہ بھی نہیں کہ سکتے کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس وقت کان میں جو حاضر رہا پیتاب ویسقراٹہ ہوا اور جب وہی شخص صدر دروازہ کے پاہر گیا تو زار زار ورنے لگا۔

بہر کیسے کوئی سبب کیوں نہ ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ چند ساعت سکوت کا عالم رہا اور جب یہ کیفیت فرو ہوئی تو حسب فطرت سب خدام ملوں فخر وون ہوئے اور اپنے آتا نے نادر کے گروہ پیش نا سمجھا اثر رہے۔ صحیح کو منورہ ہوا کہ آپ کا جسد پاک کس مقام پر پر فنا کے کیا جائے۔ ایک گروہ جس میں بعض رئیس بھی تھے ان کی یہ رائے ہوئی کہ شاہ اویس کے گور غریبیاں میں مزار بتایا جائے ورنہ پختہ کان بیکار ہو جائے گا۔ دوسرے گروہ کا جس میں لفڑاء بھی شامل تھا یہ خیال ہوا کہ اسی کان بلکہ اسی مقام پر حضور آرام فرمائیں گیونکہ جناب حضرت نے متوار تفریمایا ہے کہ ”فقیر جہاں مرے ہیں اسی گوئیں کرویں“۔

بکہ اس گروہ نے اپنے خیال کی تائید میں بطور اس واقعہ کا حوالہ دیا کہ بدمام شاہ جو پہلے خادم خاص اور بعد کو وضع کھبوٹی میں گوشہ لشکن تھے۔ ان کے انتقال کی خبر جب حضور کو ہوئی تو شیدا میاں اور تاضی بخشش علی کو یہ حکم ہوا "جا وہ بدمام شاہ کو غسل دیکر اسی مقام پر دفن کرنا جہاں وہ مرے ہیں" اور ایک نکین تہبند اور لگوٹ ان کے کفن کے واسطے مرمت ہوا۔

اتفاق سے انکا انتقال بالاخانہ پر ہوا تھا اور قبلہ عالم کا یہ حکم کہ جہاں مرے ہیں وہیں دفن کرنا تو اس کی تصریح کیلئے تاضی بخشش علی نے یہ عرض کی کہ حضور چھت میں ان کی قبر کیونکر بنائی جائے گی؟ جناب والا نے یہ سمجھ کر کہ تاضی صاحب القدس مفہوم کو نہیں سمجھے بغرض ہبھیہ بخرا را رشاد فرمایا کہ "میں جہاں مرے ہیں وہیں ان کو دفن کیا جائے"۔

اب بدمام پر بیٹاں تھے کہ اس فرمان کی تصریح کیوں نکر کی جائے۔ آثر شیدا میاں نے عرض کیا کہ حضور آثار سقف میں بدمام شاہ اس طرح دفن ہو سکتے ہیں کہ اسی مقام کے تخت میں قبر کھو دی جائے اور چھت بھی اسی قدر رکاوٹ کر بدمام شاہ کو اپر سے قبر میں گراویں۔ اس پر حضور القدس نے یہ ہدایت کی "مرد، کو تکلین نہیں دیتے، گرانے کی کیا ضرورت ہے مجھے لا کر اسی مقام پر دفن کر دینا۔" چنانچہ اس حکم کی تعمیل اسی طریق سے ہوئی۔ لہذا ہمارے مجتبہ حقیقی نے جب کہ اپنے خادم کی قبر اسی مقام پر ہوائی تو لازم ہوا کہ سرکار عالم پناہ کی آرائگا، اسی مقدس گوشے زمین میں ہو جہاں دم آثر نکل آپ نے استراحت فرماتی ہے۔

گو حضرات سابق الذکر کو یہی اس ہدایت وارثی کا بخوبی علم تھا لیکن اپنی تجویز میں ترجمہ نہ کی اور پسند نہ ہوا کہ یہ پذیرتھان قاہ حضور کی آرائگا، ہبھی جائے ہر چند بتا لہر یا لوگ اپنی کثرت اور وجہت کے اعتبار سے ہر طرح کی قوت رکھتے تھے مگر دوسرا قلیل اعتماد گروہ نے خدا نے ہر تر وتو ما کی امداد اور بھروسہ کیا اور اس خدمت کیلئے آمادہ ہو گئے کہ بقدرا۔ کان اس فرمان کی تعمیل خرکریں گے جس کی جناب حضرت نے متواری ہدایت فرمائی اور اگر ہمارا یہ ارادہ غبار تھا نیت سے آلوہ نہیں ہے تو یعنی افضل الہی شامل حال ہوگا اور ہمارا خیال پورا ہو کر ہے گا اور انشا اللہ جناب والا اسی گوشے زمین میں ہبھیش آسودہ رہنا پسند فرمائیں گے جہاں اس وقت نکارہ بحال شاہ ملطاقت میں محاور مستقر ہیں۔

بس فوراً یہ حلقة گوش فرمانبرداری کے بوش میں کھڑے ہو گئے اور حضور کا جسد اطہر معاں مقدس بستر کے شرقی صحیحی کے قریب لائے اور آپ کی جائے استراحت پر قبر کا نثان لگا کر کھو دنے کا حکم دیا۔ اسی عرصہ میں سب اسکے تھانے قصبه کری معہ چند کاشمیں اور

چو کیدار ان کے آئے اور قبر بنا نے کی ممانعت کی اور وہ مزاحمت پڑتا تھی کہ سید محمد احمد اسیم کی درخواست آتی ہے کہ تم لوگ حاجی صاحب کا کان خراب کر لے جائیے ہو۔ جواب ان کے ورناء کی ملک ہے۔

ان لوگوں نے سانی تھاں دار کو سمجھا ریا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کاملاً و شرپ یہ تھا کہ ہمیشہ تعلقات دنیا سے قطعی احرار ہا۔ بلکہ ذاتی ضروریات کے انتظام کو سکر وہ اور حرام سمجھا۔ مثلاً خور و نوش کا یہ حال تھا کہ کھانا بھی جو کھلایا وہ اپنا نہیں۔ کوئی دوسرا شخص لایا تو آپ نے نوش فرمایا۔ کپڑا جو استعمال کیا وہ بھی اپنا نہیں۔ مرید یعنی ہمیشہ تہبند تبدیل کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو تہبند زیر بحث ہوا اس کو بھی نہیں رکھا۔ جدید تہبند لانے والے کو مستعمل تہبند مرحمت ہوا کرنا تھا۔ علی ہذا بودھیا ش کے واسطے کان بھی نہیں ہوا یا۔ ہمیشہ دوسرا کے کان میں رہے۔ چنانچہ یہ کان بھی حصہ کی آسانی کے واسطے مرید یعنی نے ہوا یہ تھا اور مرید یعنی ہی اس کو آپ کی وائی آرا۔ گاہ بناتے ہیں۔ لہذا آپ کی یہ سادہ زندگی یا دگار رہے ہیں اور تاریخ کے صفات میں اس کا ذکر رہتا کہ یہی ذات ستوہ صفاتی تھی جس نے تعلقاتِ جامن سے اقتلاع کیا ڈراما۔

یعنی کربلہ اس وقت تو واپس گئے مگر تھوڑے عرصہ میں پھر آئے اور کہا کہ اس کا کیا جواب ہے کہ بھتی کے اندر قبر بنا نہ نہیں منوع ہے؟

پاپو کتبیاں ایں صاحب نے کہا کہ واقعی حد و نہیں ممکنی میں اس کی اختیاط ہے کہ عام طور پر قبریں نہ ہٹائی جائیں لیکن یہاں میوں پلٹی نہیں۔ اب تھاں دار مزاحمت سے دست بردار ہوئے مگر سنایا ہے کہ پھر اسی مضمون کی درخواستِ حاکم شائع کو دی گئی اور جب ہیاں سے بھی کامیابی نہ ہوتی تو پھر یہ کیا گیا کہ با اڑا شخص کے ذریعہ سے مزدوروں کو قبر بنا نے سے روک دیا۔

جب مزدور چلے گئے تو اول ارادت نے اس خدمت کو بھی انجام دیا اور کسی نہ کسی طرح سے پیشوائے بحرِ حق کی قبر اپنے ہاتھوں سے بنا کر تیار کی اور عسل و سکر نماز کیلئے ہر چند انتظام کیا کہ لوگ صاف بستہ ہو جائیں مگر کان کے اندر اس کثرت سے ہندو مسلمان تجمع ہو گئے تھے کہ شانہ ہلما دشوار تھا جو شخص چہاں کھڑا رہا وہیں کھڑا رہا۔ مجبور اسی کو صاف بندی خیال کیا گیا اور حافظ عبدالقیوم صاحب کرامی نے نماز پڑھائی اور قریب پائجی بجے اس مجسم نورِ الہی کو پر دنگا کیا۔ بقول:

گویا مجرم زمین کشادند

آن نور خدا درو زمادند

## یادداشت ..... (۱۷) ..... حقوقدار

﴿زین نے اپنا چکر چاک کیا اور وہ نور خدا اس میں سما گیا۔﴾

لیکن جب اسی مقام میں مزار قدس تھیں ہو گیا تو حضرات سابق اللذکر کو سجادوں کا شوق ہوا اور دوسرے روز خاص جلسے میں تحریک کی کہ سید محمد اہم ایم صاحب بیہاں کے سجادہ نشین ہنارے جائیں مگر بد قسمتی سے اس میں بھی اختلاف ہوا کیونکہ تحریکیں نے تو ذاتی طور پر یہ تجویز کیا تھا کہ مثل دیگر آستانوں کے بیہاں ایک سجادہ نشین ہوا چاہیے مگر غلطی یہ ہوئی کہ اس مقیدِ گردہ نے یہ خیال نہ کیا کہ ہماری تحریک مشرب وارثی کے بالکل خلاف ہے۔

چنانچہ متعدد اراحتمندوں نے جس میں فخر رئے تہجید پوش اور خدام و قدیم حلقة گوش بھی تھے اختلاف کیا اور اس مسئلہ سجادوں کو حضور کی ہدایت کے منافی بتایا اور کہا کہ رہنمائے کامل کا یہ ارشاد بھی ہم کو یاد ہے کہ جو سرکارِ عالم پناہ نے ہماری ہدایت کے واسطے با ربارفرا ملایا ہے کہ: ”ہماری منزلِ عشق ہے۔ اسلئے ہمارا کوئی خلیفہ اور سجادہ نشین نہیں ہو سکتا جو تم سے محبت کرے وہی ہمارا ہے۔“

اور یہ بھی کہا کہ ہماری طرح آپ حضرات بھی واقف ہیں کہ فیضانِ وارثی تحریر میں آچکا ہے اور وہ تحریر جسٹس سید شرف الدین کے پاس محفوظ ہے جس کا ذکر کتاب یعنی *القصص* مطبوعہ ۱۳۱۱ ہجری میں بصراحت درج ہے۔ اسلئے ہمارے سلطان دین کا کوئی سجادہ نشین نہیں ہو سکتا۔ ابتدی اگر انتظام آستانہ پاک کیلئے غلامان وارثی کسی کو منتخب کریں تو غیرت ارادت اس کی منتظری ہے کہ اس کو سجادہ نشین نہ کیں جو ہمارے مشرب کے عرصہ خلاف ہے بلکہ اس کے واسطے اگر متولی، دیوان، صاحبِ اہم، مفتخر، منتظم یا کوئی اور ممتاز خطاب تجویز فرمائیں تو ہم کو کوئی غدر نہ ہو گا اور آپ کے انتخاب کو قدر کے ساتھ تسلیم کریں گے۔

جب ارباب جلسہ کے اختلاف آراء سے یہ حلوم ہو گیا کہ عہد سجادوں کی مشرب وارثی کے قطعی منافی بجاو مریدین بالا جماعت کسی کا سجادہ نشین ہوا پسند نہ کریں گے تو انہوں نے اس کی کوشش کی کہ سید محمد اہم ایم صاحب کسی طرح احرام پوش ہو جائیں مگر احرام پوشی اس وقت تکمیل احرام ہو گی جب حاجی صاحب قبلہ کا کوئی قدیم فقیر ان کا لباس تہذیل کرائے۔

بالآخر اس کام کے واسطے معروف شاہ صاحب کو تجویز کیا اور بعض حضرات نے ان کو سمجھایا کہ ہم لوگ بغرض انتظام سید محمد اہم ایم صاحب کو منتخب کرتے ہیں۔ مگر مناسب یہ حلوم ہوتا ہے کہ منتظم تہذیل پوش ہو۔ امید ہے کہ آپ ان کا لباس تہذیل کرویں گے۔ شاہ صاحب موصوف نے ان کی استدعا مذکور فرمائی اور سوم کے روز بعد قرآن خوانی اور قل وغیرہ کے معروف

شاہ صاحب نے حاضرین کو خاتم کیا اور کہا کہ یہ مسلمہ ہے کہ حسب ارشاد جناب حضرت یہاں کا کوئی سچا رہنگین نہیں ہو سکتا لیکن ضرورت اس کی ہے کہ انتظامی خدمت کسی کے پروردگاری جائے۔ اسلام سید محمد ابراء یتم کو بطور منتظم مقرر کرتے ہیں لیکن یہاں کی تقریبیات معینہ میں زمان کو تصرفات کا حق ہو گا اور نہ تضمیم سابق میں ترمیم کا اختیار ہے جو شخص جس خدمت کیلئے مأمور ہے وہ بدستور رہے گا۔

مگر افسوس اس کا عملدار آمد نہ ہوا بلکہ خود سید محمد ابراء یتم صاحب نے اپنے نام کے ساتھ رہنمائی کی تھی اور خدام بھی اپنے عہدوں سے معزول ہوئے۔ خدا کی بنیان نظر آتی تھی کہ اوہ تو حصول اغراض کے اہتمام میں یہ محویت تھی کہ سجادگی کے جوش میں مشربی احکام فراموش تھے اور ادھر نہ لامان وارثی کی حرمتیں جب پامال ہوئیں تو اس لجراثش واقعہ ہے وہ انقلاب ہوا کہ ارادتمندوں کی زندگی خراب ہو گئی۔ کوئی دلگار تعلقات سے وصل ہر دار ہوا۔ غریب الطفی مٹکوڑ کی خوبیش و احباب سے دور رہنے لگا کوئی علمگین گوشت نہیں ہوا۔ صدرہ فراق نے اس کو زندہ درگور کا مصداق کیا۔ کسی تقریر خاطر نے دیا ہے فارس حرب انوری اختیار کی۔ خدام کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ ہر گھر میں رنج والم سوز و گداز کا چہرہ چاہتا۔ ہر طرف سے آہ و غصان کی آواز آتی تھی۔ کوئی نوجہ خوان تھا۔ کسی نے مریضہ لکھا۔ چنانچہ اس تجھنے نے بھی بطور یا وداشت یہ تقطیعیتاریخ تالیف کیا:

**حاجی وارثہ علی شاہ زُن سید و سردارِ کل، گروں جناب**

حاجی وارثہ علی زبانوں کے شاہ ہیں۔ آپ زمان آسمان کے بردار ہیں۔

**آنتاب قصر و دین، خُج ڈلی شرقی و غربی ز ذات فیضیاب**  
قصر اور دین کا آنتاب اور ہدایت کی خلیج ہیں۔ ان کے وجود بارہ کرت سے اہل شرق و مغرب نے فرش پایا ہے۔

**خُر و اقْلِم تسلیم و رضا جلوہ سبظین و شان بور تراب**  
اپ تسلیم و رضا کی سلطنت کے فرمازو، حسین کریمیں و رحمت علی کرم اللہ وجہہ انکریم کی شان کے مظہر ہیں۔

**بے نیاز از ہر دو عالم ذات او شاعق و معشوّق و فرد و لا جواب**  
ان کی ذات روپوں جہانوں سے بے نیاز ہے وہ مثالی ماشیں، مثالی معشوّق اور بے شل خصوصیت ہیں۔

چنگلی بخند ب خانم طریق پختہ را در لخت سازد کامیاب  
 آپ نے طریقت کے بوواردوں کو پختہ پنڈل، ور پختہ کاروں کو ایک لمحے میں کامیاب نہ ادا۔  
 شرح اوصاش چ آرم در بیان آفتاب آمد دلیل آفتاب  
 ان کی صفات کامیاب میں کسی لذت کروں، سورج کی دلکشی تو سورج سے عی دی جائیں گے ہے  
**صحح آدینہ کلم شہر صفر آن صفحی اذاختہ بر رخ نقاب**  
 آدینہ کی صحح ماہ صفر کی بھلی نارخ کو اس صفت الادعاف نے چہرے پتھاب دال لیا۔  
**غرق غلت شد جہان از هجرتش** لظم عالم گفت از اقلش خراب  
 آپ کی رحلت سے دنیا ناریکی میں دوب گئی۔ آپ کے وصال سے دنیا کا نظام دریم دریم  
 ہو گیا۔

ہر طرف شور و نفاث اندر جہاں خلق را شد روز بچوں روز حساب  
 جہاں میں ہر طرف آہ و فناں کے لے بلند ہونے لگے۔ لوگوں کیلئے وہ دن روز قیامت کا دن  
 ہو گیا۔

قدیمان بر جرش و انسان بر زمین ہر دو عالم ازمش وا ضطرا ب  
 آسمان پر فرشتے اور زمین پر انسان، دلوں جہاں ان کے گھم سے مغلظب ہو گئے۔  
**مہ رخان را در غم مش جان اگلیب** عاشقان را از فراقش دل کہا ب  
 چاحد چہرے سان کے گھم سے گھنائیں، اور طاہنے والوں کے دل ان کی فرقت سے کہا ب ہو گئے۔  
**بیر نارخ چیم او گفت بکفت** پس چہا شد آفتاب اندر تجاذب  
 جب او گفت نے نارخ کیلئے کہا تو آیا کہ ”سورج نہیں پردہ کیوں ہو گیا۔“

(۱۳۴۳)

الغرض بعد فاتحہ سوم جب خانم فارثی اپنے اپنے ولی جانے لگے تو میں نے بھی  
 جناب شاہ نفضل حسین صاحب سے مرض کیا کہ مجھ کو کیا کسرا چاہیے۔ جناب مددوح نے فرمایا کہ  
 تمہارے واسطے بھی مناسب ہے کہ پیشوائے برحق کے حکم کی تعمیل کرو اور اپنے والد کی قبر پر رہو  
 اور یاد رہے کہ اس لباس کی ثابتیاً شاست میں اگر تامل برداشت و اتعات بھی پیش آئیں تو پاے  
 استقرار کو فرش نہ ہو۔ چنانچہ اپنے شفیق ماسک کی یہ تسبیحت سن کر اسی روز سرکار عالم پناہ کے مزار  
 پر انوار سے رخصت ہو کر دیوئی شریف سے چلا اور ۱۳۴۳ ہجری کو پھرایوں میں آ کر  
 مسجد سہرا ب شاہ میں رہنے لگا۔

جب احباب میرے مستقل قیام سے آگاہ ہوئے تو ان کی کوشش سے احاطہ مسجد میں ایک حجرہ بھی قبیر ہو گیا اور والد ماجد کے عرس کا زمانہ آبا تو اس میں ایک نارٹی میں نے اور بڑھائی جس کو اپنے مولا کے نام پاک کے ساتھ منسوب کیا اور اس سال سے سترہ کونسٹرکٹ کے قل کے بعد عرس کی تقریب ثتم ہونے لگی اور اسی سال سے اس تقریب میں نمایاں ترقی ہوئی کہ محہان بھی زیادہ آنے لگے اور ان کے آرام و آسانی کا ضروری سامان بھی مجتمع ہو گیا۔

الغرض مابعد آستانہ پاک کے اختتام میں اور کیا کیا انقلابی صورتیں پیش آئیں اور مقبرہ شریف کیونکر قبیر ہوا اور زجاوگی کا داشتہ ہمارے شرب کے شفاف دامن سے کپ اور کیونکر چھوٹا اور بارگاہ وارثی کی رونق اور ترقی کیلئے ذی حوصلہ ارادتمندوں نے کس اولوالعزمی سے کام لیا اور میں نے سفر جاز و عراق کیونکر کیا۔ یہ تعلہ حالات اگر کار ساز حقیقتی کو منتظر ہے تو دوسری جلد میں نگارش کروں گا۔

لیکن اس فتح کو تقریباً چار سال تک جو آستانہ قدس پر حاضری کا موقع ملا یہ سعادت میرے بمال کی خوبی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ پیشوائے برحق کی محض بندہ نوازی اور پرورش تھی۔ ورنہ مجھے ایسا سگ دینیا اس لائق ہرگز نہ تھا کہ اس مقدس مقام پر اس کا گذر بھی ہوتا اور والد اس کے اگر کی مجال نہ تھی کہ دراقدس کی جاروب کشی کا خیال بھی کرتا جو درحقیقت میرے اور میرے آبا و اجداد کے فخر و مہابت کے واسطے کافی ہے اور فی الواقع بھی عرصہ زندگی میرا جو بارگاہ وارثی کی دربانی میں گز راں قابل ہے کہ اس کو سرمایہ از کھوں تو بے جان نہ ہو گا۔ بقول:

اگر بہر مونے تھن گرو زبانے  
زو راتم چ ہر یک واسٹانے

﴿اگر میرے ہن کے ہر بال کے ساتھ زبان ہوتی تو ہر ایک سے تیری ایک ایک واسٹان بیان کرتا۔﴾

اور آج بھی اس دو راتمادہ کو اگر کوئی تمنا ہے تو یہ ہے کہ تیری عمر اسی دراقدس کی دربانی اور اسی آستانہ پاک کی جاروب کشی میں کئے۔ بقول:

جائے آئست کر جان بہر کوہتے بازم  
خاک درگاہ پر تو ہر نارک سر اندازم

﴿وہ جگہ ہے کہ جہاں کو تیرے کوچے میں راؤ پلگا ریا جائے اور تیرے آستانے کی خاک پر  
ڈال دوں۔﴾

اللہ اپنی زندگی کے اس حصہ کا حال نگارش کر چکا ہو رہی تھیت میری زندگی کا خلاصہ اور جس پر میری زندگی کے مال کا انعام ہے۔ البتہ اس چند روزہ حاضری کے دران میں جو مستعد اور غیر معمولی تصرفات دیکھان کو ملکی خیر کرنے میں یہ خیال ہے کہ اگر بالترتیب نگارش کروں تو خیمہ فخر ہو جائے گا اور غالباً ہذا حضور کی ہدایات اور ارشادات کی بھی تعداد کم نہیں ہے اسلئے ان کو بھی بالتفصیل نہیں لکھ سکتا اور علاوہ اس کے اکثر مفہومات انوان مدت کی تاریخات میں شائع بھی ہو چکے ہیں یا بعض ایسے ارشادات ہیں جن کو شرب و مسلم کے ممبر اتفاق ہے ان کی بالا عالی اشاعت خلاف علوم ہوتی ہے لیکن فی الجملہ اس کی بھی ضرورت و لحاظی دیتی ہے کہ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا بھی ذکر ہو اور چند مفہومات بھی لکھے جائیں۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ میری مدد و وفا قیمت نہ اس کی متنازعی ہو سکتی ہے کہ در دوست کے جملہ واقعات اور پیشوائے الحق کے تمامی تصرفات لسل کرے اور نہ میری استعداد اوس لائق ہے کہ ان تصرفات کی حقیقت اور ماہیت کماہنہ بیان کرے۔ یہاں کے وزانہ کا یہ دستور تھا کہ مختلف حیثیت اور مختلف خیال کے ارادتمند حاضر ہو کر حسب استعداد فیضان وارثی سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ مگر انہیں ارادتمندوں میں اکثر حضرات کی طلب اور معاملات کو حقانیت اور روحا نیت سے ایسا سر و کار ہوتا تھا جس کی تحریک اور تصریح کرنا تو یقینی ناممکن ہے بلکہ ان پر اسرار واقعات کا تو مجلاذ کر کر دشوار ہے۔ اسلئے وہ تصرفات جو روز و روز اسرار سے معمور ہیں اور وہ ارشادات جن کا نکات مخصوصی سے سروکار ہے ان کو تحریر میں لانا قطعی میرے امکان سے باہر ہے۔

البتہ مجھے ظاہر ہیں کہ تو یہی منصب ہے کہ وہی حالات نگارش کروں جو بظاہر ہمارے فہم و دراک کے لائق ہوں جیسا کہ طالبان الہی کا عام طور سے طلاق نمائی میں واصل ہونا جس کا سلسلہ قریب قریب ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ معمولی واقعات میں اکثر ایسے روزو روز اسرار پائے گئے جن کا ہماری عقول میں آنا محال ہے چنانچہ با رہا ایسے بھی طالب خدا آئے جو مختصر و مقرر اور یا نہ وارزبان حال سے کہتے تھے:

جز تو کس در جہان نبی خواہم  
بے وصال تو جان نبی خواہم

﴿آپ کے سوا مجھے جہان میں کچھ نہیں چاہیے اور اگر آپ کا وصال نہ ہو تو جان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔﴾

پلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ بارگاہ وارثی کی معمولی بات بھی اپنی حقیقی حیثیت میں غیر معمولی بات کی احیت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ مثلاً ایک صاحب پہلی بھیت سے آئے اور حسب اجازت درگاہ شاہ ولایت صاحب میں قیام کیا اور بعد اور نماز ظہر وہ داخل سلمہ وارثی ہوئے۔ مگر نماز عصر کیانے ان کو شاہ فضل حسین صاحب نے بلا یا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جناب شاہ صاحب میں تو مرید ہو چکا ہوں اب نماز کیسی بقول

جو دل تاریخ میں بت سے لگا چکے

وہ صحیفہ چھوڑ کے کبھی کوچا چکے

شاہ صاحب نے فرمایا کہ مرید ہونے کے بعد آپ نماز کیوں نہیں پڑھیں گے جو عرض ہیں ہے۔ وہ سارہ مزانِ تحریر ہو کر بولے کہ میں نے تو یہ سناتا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کے مرید کو نماز معاف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے میں یہاں آیا اور حلقہِ علمی میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب موصوف نے مجھ کو پا کر فرمایا کہ ان کے خیالات فاسد ہیں۔ خدا کے واسطے سمجھاؤ کہ نماز پڑھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو نماز پڑھنے کا سبب وہی بھتھتے بھی بیان کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے ہیر و مرشد سے بھی اجازتی ہی ہے؟ کہا ”یہ تو نہیں کیا۔“ میں نے کہا ”بغیر ان کے معاف کے نماز کیونکہ معاف ہو جائے گی۔ اگر وہ کہ دیں تو چھوڑ دیجئے ورنہ اس حکم خداوندی کو آپ خود کیوں مگر چھوڑ سکتے ہیں۔“

میرا یہ کہنا ان کی بکھر میں آگیا اور اسی وقت میرے ہمراہ رکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے جنابِ حضرت سے یقین عرض کیا تو فضورِ مذکور ہے اور فرمایا کہ ”اگر تین ہر س اور نماز پڑھو۔ پھر چھوٹ جائیگی۔“ اور مخصوص طریق سے درود و شریف پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ وہ صاحب نہایت مسرور ہو کر واپس آئے اور بکمال خصوص و خشوع نماز عصر ادا کی اور شاہ فضل حسین صاحب سے کہا کہ جناب میری نماز بھی اب تین ہر س کے بعد چھوٹ جائے گی۔

پھر دوسرے سال میلہ کا نک میں وہ حاضر ہوئے تو ان کی حالت یہ تکھی کہ ہر وقت با فضور ہتھی ہیں اور درود و شریف کا ورد ہے اور ذوق و شوق میں نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر تیرے سال وہ میلہ میں نہیں آئے تو وہی گوہر خان صاحب وارثی رئیس پہلی بھیت جب حاضر ہوئے اور ان سے دریافت کیا تو طلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ شاہ فضل حسین صاحب نے جناب کیا تو اس نمازی کے انتقال کی تاریخ وہی تھی جس روز تین سال پورے ہوئے تھے جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے بندہ نماز پڑھوانے اپنے اس مرید صادق کوتار دم مرگ اور نے

نماز کیلئے تحکم فرمایا تھا جس وقت جماعت نصری سے روح کا متعلق چھوٹ گیا۔ اس عادہ خدا شناس سے نماز بھی چھوٹ گئی لیکن تین سال کی قید لگانا یا اس واقعہ اسرار اور مقبول پروردگار کا کام ہے جو فرشتائی سے خوار ہو۔ وہ ہمیشہ وہی کہتا ہے جو حق تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ بقول

**کنون او گلوبی اللہ یور**

**گرچہ از حلقوم عبدالله یور**

﴿اَنَّكُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ الْمُبَشِّرُونَ اَفَلَا يَرَوْنَ مِنْ هَذِهِ آياتِ اللَّهِ كُلَّ رَبْحٍ بِهِ تَحْمِلُونَ﴾

اسی مضمون کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ مشی سید نجم الدین صاحب ریس باگے پور جو نہایت مقدس اور خدا شناس شخص تھا اور ایک مرتب بلاخواہ عنیدت دیوبنی شریف میں حاضر ہوئے تھے۔ جب خصوص برائے پور شریف لے گئے اور مشی صاحب سے ملاقات ہوئی تو موصوف نے بکمال ادب یا استدعا کی کہ میری نماز چھڑا اور بچھے۔ جناب حضرت نے فرمایا کہ مشی ہی نماز چھوڑنے کی چیز نہیں ہے ”وَمَا حَلَقَتُ الْجِنُّ وَالإِنْسَانُ إِلَّا يَعْمَلُونَ“ مشی صاحب نے مرغ کیا کہ اب نماز عبادت نہیں بلکہ عادتاً پڑھتا ہوں اور ایسی نماز ہے سو ۷ حلوم ہوتی ہے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ ”مشی صاحب وضعداری اسی میں ہے کہ مرتنے ہم تک نماز پڑھے جاؤ۔“ چنانچہ چند روز کے بعد صین نماز عصر کی تیسری رکعت میں انتقال ہوا۔

ملل نہاد ۱۳۶۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ ہناب سے ایک مولوی صاحب آئے اور صدر رورواڑہ کے بالاخانہ میں جہاں ذپی سید نجم الدین صاحب وارثی و ذپی تاشی طیف عالم صاحب وارثی پہلے سے مقیم تھے۔ مولوی صاحب بھی ایک جانب پڑھ رہا تھا گئے۔ دوسرے روز بعد نماز ظہر مولوی صاحب نے ان دونوں ذپی کلکڑوں سے کہا کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی کیا۔ حلوم نہیں ”فَمَنْ تَرَكَ الشَّلُوةَ مَعْلَمًا فَقَدْ حَفَرَ“ بے نماز یوں کہہ تہب کیلئے حبیب رب العالمین ﴿لَعَلَّكُمْ كَافِرُوْهُ﴾ کافر مورہ ہے۔ بلکہ میں نے ساہے کہ جناب حاجی صاحب بھی نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق ان سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ مولوی صاحب کا یہ بیہ کا نہ کلام سن کر دونوں ذپی کلکڑوں نے مجھ کو بلا کر یہ قصہ کہا اور خواہش ظاہر کی کہ ہم کو روسری چلے پڑھ رہو۔

میں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا کام ہے، کہاں سے اور کیوں آئے ہیں؟

تو پنجابی بچہ میں فرمایا کہ میرا مام عبداللہ ہے اور اس نے ملکان سے آیا ہوں کہ حاجی صاحب سے نماز کی بابت گفتگو کروں۔ کیونکہ نمازوں میں تینیں کی تھوڑی ہے۔ کیا نہ نہیں ہے کہ اولین پر ش نماز پڑا، اور یہ مسلمہ ہے کہ اگر نماز خارج از وازہ اسلام ہے۔ قبول:

### خلاف پتھر کے رو گزید کہ ہرگز بھول خواہد رسید

(جو کوئی طریقت نبوی کے خلاف چلے گا اسی طور بھی منزل پنیں پہنچ پائے گا۔) میں اسی وقت مولوی صاحب کو سرکار عالم پناہ کی خدمت میں لے گیا تھاں وہاں مولوی صاحب خاموش بیٹھنے رہے۔ جب واپس آئے تو پھر کہا کہ مجھ کو حاجی صاحب کے پاس لے چلو وہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا ابھی تو آپ ملاقات کر کے واپس آئے ہیں لیکن خیر دوبارہ چلے اور پھر مولوی صاحب کو لے گیا۔ اس مرتبہ حضور نے فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ " یہ ملکان سے آئے ہیں۔" ارشاد ہوا کہ "پلٹو ٹھہر و پھر ملاقات ہو گئی۔"

عرض اسی طرح تین مرتبہ مولوی صاحب جناب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس آ کر یہی کہا کہ حاجی صاحب کہاں ہیں ان سے کچھ بتیں کروں گا۔ آخر پوچھی مرتبہ حاضر ہوئے تو سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب بیٹھو۔ مولوی صاحب فوراً قدہ ہوں ہوئے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ "مولوی صاحب سے دین جاری ہے اور اسلام کے یہ حاجی ہیں" اور پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ "جب ہم نے کافی شروع کیا اور استاد نے پڑھایا کہ الگنت لفظ تو ہم نے کہا کہ جب کلمہ ایک لفظ کا نام ہے تو اس کا پڑھنا بیکار ہے۔" پھر فرمایا کہ "مولوی صاحب ہم نے اپنے والد کا کتب خانہ تالاب میں ڈبوریا۔" اور ارشاد ہوا کہ "مولوی صاحب فی الفیس کم افلات پھر وون کے معنی جانتے ہو؟"۔ مگر مولوی صاحب خاموش اور کسی خیال میں بھر تی مستغرق بیٹھنے رہے۔ پھر حضور نے دریافت فرمایا کہ شب کو مشنوی مولانا روم کون پڑھتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہی مولوی صاحب پڑھ رہے تھے کسی قدر تر شروع ہو کر جناب والا نے فرمایا کہ "مولوی صاحب سمجھ کر پڑھا کرو۔ ورنہ چھوڑ دو۔ مشنوی کا مخفیوم اگر نہ سمجھے تو نہ پڑھئے۔" اس کے بعد مولوی صاحب کو رخصت کر دیا۔

اس مرتبہ بالا خانہ پر آ کر مولوی صاحب کچھ عرصہ تک تو ساکت رہے پھر حالت وجد میں مشنوی شریف کا پہلا شہر پڑھا اور جوش میں کفرے ہو کر تحسیں کرنے لگے اور یہ بات مولوی صاحب ایسا چیز کے دیکھنے والے تھی تھے کہ پہلے تو بالا خانہ پر یہ نامق ہوتا

## یاوارت ..... (۲۹) ..... نووارت

رہا پھر اتر کر درود لاث پر عرصہ تک مولوی صاحب یا مات نامی پھر قصہ کی گلیوں میں مانچے پڑے اور بار بار کہتے تھے کہاب خوب سمجھو گیا۔

چنانچہ اسی صورت سے آنحضرت اور وہ ماتھم نہ ہوا اور اس عرصہ میں مولوی صاحب کو نہ اپنے کپروں کا ہوش ہوانہ کھانے کی فکر ہوئی، نہ پانی کی تلاش اور نہ کسی وقت نماز کا ذیال آیا۔ بلکہ یہی ایک شعر کہ:

بُشْنُو از نے چون حکایت میکد  
و ز جدائی با شکایت میکد

﴿ستوک با تسری کس طرح اپنی داستان سناتی ہے اور اپنی جدائی کا شکوہ کرتی ہے﴾  
پڑھتے تھے اور بار بار کہتے تھے خوب سمجھو گیا۔ بلکہ کسی نے اگر کہا کہ مولوی صاحب نماز پڑھ لیجئے تو جواب میں کہتے تھے کہ تم اپنی نماز پڑھو۔ میں پڑھ کا ہوں اور اب نمازیمری یہ ہے۔

حرے در سجدہ هر در ندارم  
جز این در قبله دیگر ندارم

﴿ہر در میں اپنے سر کو سجدہ میں نہیں فال دیتا کیوں کہ اس در کے سوا میرا کوئی اور قبلہ نہیں ہے﴾  
اور جس وقت زیادہ تقرار ہوتے تھے تو حالت جوش و اضطراب میں زار زار ہوتے اور کہتے تھے:

قاورا بہر جمال خوششں برگن این پردہ از رش برگن  
تاجخورد ناخشم خود را در وجود گر رکوع آرمیم شادان گر تجود  
﴿اے قاورا! اپنے جمال کی خاطر اپنے چہرے سے یہ پردہ ہناوے تاکہ میں خود کو وہ جو میں دیکھ اؤں اور خوشی و انہما طے کبھی رکوع کروں تو کبھی سجدہ ہے﴾

ہر چند مولوی صاحب کی حالت زار کا ہر شخص کو احساس تھا۔ مگر راجہ روست محمد خان صاحب وارثی نے ان کی پریشان حالتی پر بار بار فسوں کا اظہار کیا۔ آنحضرت موصوف کے اصرار سے مولوی صاحب کو میں تالاب پر لے لیا اور خوب نہلایا۔ گوان کے وجد کا خمار غسل سے بھی با لکل فروٹیں ہوا لیکن اس دوسرے ہفتہ میں رفتہ رفتہ افاق ضرور ہوا اور جب کسی قدر رکون ہو گیا تو ایک روز کمال ارب سرکار عالم پناہ کی خدمت ہامہ کرت میں حاضر ہو کر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ واللہ کائنات میں ہر ذرہ آپ ہی کے نور سے معمور ہے یہی ثابت شیخ کو پا بند اسلام کرتی

بے اور بھی صورت ہے تھن سے رام رام کھلواتی ہے۔ بتول:

از رندے و پارمائے تو  
مختانہ و خانقاہ در رقص

(تیری پارسائی اور رندگی سے مختانہ اور خانقاہ دونوں رقصائیں ہیں)۔

آئائے ناہار یہ خطاط شعار آپ کے کرم اور آپ کی عنایت کا امیدوار ہے اب  
خاطر یقرا رکنا ب انتظار نہیں۔ زندگی سے بیڑا رہوں۔ کیونکہ

خواب زخم من بشد حشم تو بست خواب من  
ناب تمام در حشم زلف تو مرد ڈاب من

(میری آنکھوں کے خواب تیری آنکھوں سے نسلک ہیں یعنی تو آنکھ بند کرے گا تو میں خواب  
دیکھ پاؤں گا۔ میرے وجود میں اب کچھ طاقت باقی نہیں کیوں کہ تیری زلف میری توہاں کی لے گئی  
ہے۔)

لہذا مستدی ہوں کہ اب شلام کو ہاس تقریم رحمت ہوا ور علاقاً دنیا سے آزاد ہر ما یعنی  
جتاب حضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ۔ ”تم اپنے دکان جاؤ اور دین کا مدرسہ جاری کرو۔“  
مگر جب مولوی صاحب زیادہ مختصر و بیقر را ہوئے تو ارشاد ہوا۔ ”اگر خراب ہی ہوا ہے تو پہلے  
پورب کی سیر کرو۔“ اس فرمان کی تفہیل کیلئے مولوی صاحب فوراً مستعد ہو گئے اور قد ہوں ہو کر  
پورب کی سمت پلے گئے۔

یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ ایک شیاسی پختہ کے چنانی رویش آئے اور میرے بستر کے  
قریب پہنچ گئے۔ میں نے پوچھا کہ سادھو جی کہاں استھان ہے؟

کہا: ”بابا امرتسر سے آتا ہوں اور بارہ برس سے اس تلاش میں ہوں کہ کوئی نا رائی کا  
سیوک یہ تھا وے کہ زنگار اس ہمارے سر کے اندر ہے یا میری کے باہر جا کر ہم با تھاویں نے  
سمجھا یا مگر افسوس کہ میری تشقی نہ ہوتی۔ جب حاجی صاحب بابا کلام سن تو اسی خیال سے یہاں  
بھی بھکاری بن کر آیا ہوں۔“

میں ان کو اندر لے گیا تو اتفاق سے اس وقت جنور کا بستر چمن میں تھا اور آپ کھڑے  
تھے وہ سادھو جب دروازہ میں داخل ہوا جتاب والا کی خدا نما صورت دیکھی۔ اسی مقام پر وہ  
زمین بوس ہوا اور عجیب کیفیت کے عالم میں افتاد و خیز اس قریب جا کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ سر کار  
عالم پناہ نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ ان کو ٹھہرا دا اور ان کے کھانے کا انظام کر دیا۔

بابر آ کر میں نے کہا کہ معاویہ جی تم نے پکھو دریافت نہ کیا۔ وہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر دریافت کے جواب مل گیا۔ جس وقت دروازہ محلات میں نے مباکی صورت کی ایک نوٹ وہرنی سے آ کاش نک دیکھی اور جب گروہ جی کے چون میں سر دیا تو جسم بشری پالیا۔ بس میری تسلیم ہو گئی اور جو آج نک نہ سمجھا تھا وہ سمجھ گیا۔

یہ بھی دیکھا کہ اکثر طالبین لباس تقریکی استدعا مانظور بھی فرمائی ہے اور بعد کو حلوم ہوا کہ مانظور اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی طلب صادری اور خالصاً وجہ اللہ نہ تھی بلکہ کسی غرض پر مبنی تھی۔ چنانچہ ایک شخص نیپال کا باشندہ حاضر خدمت ہوا اور ملکی ہوا کہ مجھ کو تہبینہ مرحت ہو۔ پہنچتے حضور نے فرمایا کہ پہلے اپنی جور و گور ضامنہ کراؤ۔ جب وہ بابر آیا اور اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جور و سے لڑ کر آیا تھا اور اس رنگ کی وجہ سے وہ فقیر ہوا چاہتا تھا لیکن ہمارے حقیقت شناس چیشوں نے اس کی باطنی حالت پر نظر فرمائی اور تہبینہ نہیں دیا کیونکہ شخص اس خالقی رنجش کے باعث اس نے ترک لباس کا ارادہ کیا تھا۔ خدا کی طلب نہ تھی۔ چنانچہ ایسے واقعات اور بھی گذرے ہیں کہ اکثر حضرات کی صدمہ کی وجہ سے ترک لباس کرنے پر آمادہ ہوئے مگر حضور نے ان کو تہبینہ نہیں دیا اور جب کچھ عرصہ کے بعد اس اندھہ والم کا ازالہ ہو گیا تو پھر بدستور وہ اپنے کار و بار میں مصروف ہو گئے اور برخلاف اس کے ہمن کی طلب تھی ان کو تہبینہ بھی ملا اور ان کی حالت میں تغیر بھی نہیں ہوا۔

اسی دو روان میں سلسلہ صاحب یہ کے ایک سعمر شخص درویش صورت مخلع ایڈہ سے آئے اور رحیم شاہ صاحب کے کمرہ کے باہر سائبان میں پھرائے گئے تھیں چار پانچ روز تک وہ اپنے بستر پر بیٹھے رہے جناب حضرت کی خدمت میں بھی نہیں حاضر ہوئے رحیم شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ دریافت کردیکون ہیں اور کیوں مقیم ہیں۔ میں ان کے بستر پر گیا تو دیکھا ایک ملعوبہ کتاب اردو کی ان کے ہاتھ میں ہے اور چند اہل دیہات معمولی طبقہ کے ان کے پاس بیٹھے ہیں اور شاہ صاحب سیر و سلوک کے قواعد ان کو سمجھا رہے ہیں اور درمیان تقریب میں یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ یہاں کوئی شخص نہ یہ نکات جانتا ہے اور نہ ان مقامات سے واقع ہے اور مرشد کی عنایت سے میں سب منازل سلوک طے کر چکا ہوں۔ بلکہ بہت بڑا مقام جس کا مام لا ہوتے ہے میں اس کی سیر کرنا ہوں۔ بقول:

مرث شاش درخت لاہوتیم  
گوہر درن حن اسرارتم

(میں تھر لاہوت کی شاخ کا پرندہ ہوں اور روز و سارے کے خزانے سے ایک موتی ہوں۔) پہلے تو میں بھی ان کی روحاںی تعلیم خاموشی کے ساتھ مستقر ہا۔ جب ان کے اس طرز و طریق سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ صاحب اپنی ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے عمومِ انس کو اپنی خواست باطنی سے آگاہ کرتے ہیں اور چونکہ اس کام میں شب و روز صروف رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کا وقت ان کو نہیں ملتا۔

بالآخر میں نے کہا کہ جناب شاہ صاحب اگر تکلیف نہ ہو تو اپنے طے کردہ مقامات کا نام تو بتائیں۔ شاہ صاحب نے نہایت کشاور پیشانی سے پیر فرمایا کہ صاحبزادے کیا آج تک تم نے سماں بھی نہیں کر طریقت میں مقامات فتح کے نام کیا ہیں۔ اگر تم کو شوق ہے تو میں تم کو سمجھائے دینتا ہوں یا درخواست اول مقام حاصلت، دویم ملکوت، سویم جیروت۔ چہارم لاہوت ہے جس کو یکے بعد دیگر میں طے کر پچھا ہوں اور وہی مطبوعہ کتاب دکھا کر فرمایا کہ اس میں بھی انہیں مقامات کی تصریح درج ہے اگر زیادہ اطمینان منظور ہو تو اس کو پڑھلو۔

میں نے عرض کیا کہ جناب شاہ صاحب افسوس ہے کہ جس منزل کا طے کرنا لازمی اور ضروری تھا اور جس مرحلہ کو بغیر طے کئے کاملین میں شامل نہیں ہو سکتا۔ وہی مقام آپ سے چھوٹ گیا۔ ورنہ ستر روزوں کی آجاتی کہ آپ ہمارا پڑنے لگتے۔ شاہ صاحب نے تھجرا کر فرمایا کہ وہ کون سام مقام ہے۔ میں نے کہا کہ اس مشہور و معروف مقام کا نام منزل کہا دتے ہے۔ جس صاف راہ سلوک نے پیشو اگزار مقام طے کر لیا ہے اس کو سب منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ہر چند سالک مقام کہا دتے کے نو رانی پیغمبر پر پہلے فتحیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں بقا کا مرتبہ اس کو ملتا ہے اور کان ٹکین میں پر تکلف مندرجہ پہنچ کر وہ حقہ پہتا ہے اور بکمال اطمینان بھیروں کی رہن میں کہتا ہے:

فَا كَسْيَ بَقَّا كَسْيَ جَبَ اسَ كَهَ آشَاطِهَ  
كَسْيَ اسَ كَرَ مِنْ آشَاطِهَ كَسْيَ اسَ مِنْ جَاطِهَ

شاہ صاحب نے تھجرا ہو کر فرمایا کہ آج تک اس مقام کا نام بھی نہ کسی فتحیت سے تنا اور نہ اس کتاب میں منزل کہا دتے کا ذکر ہے۔ میں نے کہا جناب روز و سارے روح سفید نہیں ہوتے۔ بلکہ یلم یہ ہے جو بغیر خدمت کے نہیں حاصل ہوتا۔ بقول

ہر کے خدمت کردا و مددوم شد  
ہر کے خود را دیدے او محروم شد

﴿جو کوئی خدمت کرتا ہے مخدوم ہو جاتا ہے اور جو اپنی می دات کے سر میں بنتا رہتا ہے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔﴾

چنانچہ میں نے برسوں خاک چھانی۔ تب بڑی جانشناختی سے اس مقام عالیٰ کو طے کیا ہے۔ ہر کس کی مجال نہیں کہ منزل کہاوتے طے کرنے کا ذیل بھی کرنا اور آپ کی لفظ فخری سے تو یہ حلوم ہوتا ہے کہ اس کوچ میں قدم رکھنا بھی آپ کو مجال ہے۔ البتہ کسی باکمال شخص کی مسلسل خدمت کیجئے اور اگر افضل الہی بھی شامل حال ہوا تو شاید محترم کہاوت کی نحود کیسیں کھلا آپ کو نصیب ہوں۔ ورنہ اسی بجزہ خارے پڑا پار ہوا بہت دثار ہے۔ کیا یہ مشہور مقولہ آپ نے سنائیں:-

درین ورطہ کشتی فروشنہ ہزار  
کے پہاڑا نہد تختہ رہ کنار

﴿خیرت کے اس سمندر میں ہزاروں کشمیں پکھواں طرح غرق ہو گئیں کہ ان میں سے کسی کا ایک تختہ تک باہر نہیں آیا۔﴾

یہ کہہ کر میں تو اپنے بستر پر چلا گیا۔ مگر شاہ صاحب کو منزل کہاوت کی سیر کا اس قد رشوق ہوا کہ جناب شاہ نفل کسی میں صاحب اور معروف شاہ صاحب اور شید امیاں کے پاس باہر بارگئے اور ان سے باصرہ کہا کہ آپ سفارش کر دیں کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کراؤ۔ ان لوگوں نے بطور مذاق شاہ صاحب کو یہ سمجھایا کہ ہم بھی آپ کی سفارش کریں گے۔ مگر بہترین صورت یہ ہے کہ آپ جناب حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یا متعدد کریں۔ قریبہ ہے کہ آپ کی خاطر قبلہ عالم ان کو ضرور یہ حکم دیں گے کہ ان کو منزل کہاوتے طے کراؤ اور پھر اوگھٹ شاہ کی مجال نہیں کہ کوئی عذر کریں اور آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

چونکہ منزل کہاوت کے شوق نے شاہ صاحب کو زخور نہ کر دیا تھا اس لئے "ذیانہ را ہوئے بس است"۔ کامیابوں ہوا کہ ان کو بھی یہ صلاح پسند آئی اور اسی وقت سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستدعی ہوئے کہ اللہ حکم فرمائیے کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کراؤ۔ حضور نے مجھ کو طلب فرمایا کہ شاہ صاحب کا قصہ سننا اور مسکرا کر شاہ ہوا کہ اگر تم کو حلوم ہو تو منزل کہاوتے طے کراؤ۔

میں نے باہر آ کر شاہ صاحب سے اقرار لیا کہ جو کہوں گا اس کی تعقیل کرنا ہو گی اس گروہ میں مقام کہاوت نے جب اس کو بھی قبول کیا تو میں نے یہ تلقین کی کہ آج سے نصف روٹی

صحیح کو اور نصف شام کو کھایا کرو۔ شاہ صاحب نے وفور شوق میں ایسا ہی کیا تھا جن اسی کے ساتھ میں نے بھی اس روز سے نصف ہی روٹی پر قیامت کی۔ اسی ہفتہ میں شاہ صاحب کو اس مجاہدہ نے ایسا ضعیف کر دیا کہ کشست و برخاست میں تکلف ہوئے۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو مجھ کو ذیال ہوا کہ وگی میں صورت مال نہ پڑیں آؤ۔ اسی وقت جناب حضرت کی خدمت میں ان کو لے لیا اور عرض کیا کہ یہ مقام کہا دتے طے کر آئے۔ حضور نے ذکر اسم ذات جاہلی تاحدہ سے ان کو تعلیم کیا اور فرمایا ”شاہ جی اب جاؤ“۔

شاہ صاحب اسی روز چلے گئے۔ مگر بعدہ متعال یہم کے بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے یہاں سے جا کر جملہ تعلقات منقطع کر دینے اور جنگل میں آزادیہ زندگی پر کرتے ہیں اور ہر وقت وجدانی حالت رہتی ہے اور اکثر ذکر اسم ذات بالجھر کرتے ہیں۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ ملا کہ با وجود یہ کہ یہ تصدیق را پاندھی تھا اور شاہ صاحب کو حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ بھی مذاق ہی کے بیڑا یہ میں دیا گیا تھا کہ یہ جا کر مقام کہا دتے کا اشتیاق ظاہر کریں اس مذکورہ سے چند منٹ کیلئے حضور کی پہنچنگی ہو گئی اور ایسا ہی ہوا کہ شاہ صاحب کی یہ طلب سکر حضور مسکرائے بھی لیکن اس مذاق کی رسائی چونکہ دربار وارثی میں ہو گئی تھی اس لئے یہ مذاق بھی وہاں پہنچ کر مذاق نہ رہا اور تصریح وارثی سے یہ مذاق بھی ”صحت صائم اسلام کند“ کا مصدقہ ہو گیا۔ بتول:

سعادتِ ابدی در پے ارادتِ تست

چنانکہ عیدِ مبارک ز بعدِ ماہِ صیام

﴿جس طرح روزوں کے بعد عید آتی ہے اسی طرح ابدی سعادت تیرے ارادے سے مسلک ہے۔﴾

فینماں صحبت وارثی نے طالب کہا دتے کی بھی ہمایت فرمائی اور تسبیت وارثی کے حقیقی اثر نے یہ کر شمہ رکھایا کہ ”آگ لینے کو جائیں پیغمبری ہو جائے“ کامضمون ہوا۔ اس غیور شہنشاہ کو منظور ہوا کہ ہمارے فیض نام سے سادہ لوح بھی محروم نہ جائے۔ بنطاحر ایک ذکر بھی تعلیم فرمایا اور بھائی تصرف سے ترک تعلقات کا دشوار گز امر حلہ ایسا کہل کر دیا کہ جب آسانی و دنیا کے دامہ زور سے رہا ہو کرو ہا بلدر انقدر بھی ویران جنگل میں مسکن گزیں ہوا ”ذالکَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“،

ایک روز قریب عصر ہندو فقرا کے لباس میں ایک صاحب آئے اور اسی انداز کا مختصر

اسباب بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتفاق سے میں اس وقت دراقدس پر حاضر تھا۔ ملنے کے بعد یہ فرمائش کی کہ جلد قد نبوی کرو۔ ابھی واپس جاؤ۔ انہیں نے عجالت کا سبب پوچھا تو اضطراری حالت میں یہ بیان کیا کہ مجھ کو حلوم ہوا ہے کہ سب کا حصہ تقسیم ہو رہا ہے۔ لہذا میں بھی آتا ہے مادر کے دراقدس پر اپنا حصہ لینے حاضر ہوا ہوں۔ اصل حصہ نہ ہو ما چاہیے۔ میں اسی وقت با رگا ہوا رٹی میں ان کو لا لیا۔ نوزوہ والان کے پاس نہیں پہنچ تھے کہ سرکار عالم پناہ نے دیکھ کر فرمایا کہ ”اچھا جاؤ“۔ فرمان سنکرائی جگہ وہ زمین بوس ہو کر واپس آئے اور اپنا اسباب اٹھا کر درگاہ کی جانب چلے گئے۔

اسی وقت تھا کہ پہنچنے والے صاحب نے آگر یہ قصہ ساتوں مو صوف کو شوق ہوا کہ ان کا حال منسلسل دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی خیال سے تھا کہ صاحب اور میں درگاہ میں آئے تو ویکھا وہ صاحب نماز پڑھ کر جانے کو ہیں۔ تھا کہ صاحب نے روکنا چاہا۔ مگر انہوں نے معدودت کے ساتھ گہا کر میں مہاک متوسط کا باشندہ ہوں۔ مالک نے میرا حصہ دیکھ کر مجھ کو نہست کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں بمال نہیں کہ قیام کرنے کا خیال بھی کروں اور مل کر فوراً چلے گئے۔

تلی ہذا میرے ماموں حاجی اشراق نہیں صاحب کے خیالات میں جس قدر تحریرات ہوئے وہ بھی خاص تصرفات وارثی کا کر شد تھا۔ یونکا وہ ہوا ماما حاجی احمد اول اللہ مہاجر بھی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور علمائے دیوبند کی تقلید کے ہمیشہ پابند ہے۔ نہ کبھی صوفیائے گرام کی تبعیت کی نہ فقرائے عظام کی عظمت ان کی نگاہ میں تھی۔ چنانچہ تادر شاہ صاحب وارثی جو تاجر ایوں میں عرصہ سے قیام پڑ پڑھا میں صاحبان کے بھی قطعی خلاف تھے۔ جب وہ ملیل ہوئے تو میری وجہ سے اس قدر رہنمایت کی کہ اپنی کوٹھی میں لاگران کا علاج کرو۔ مگر چوں کہ بدھن بہت تھے۔ اس لحاظ سے خود ان کی تمارواری میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ ان کو تغیر سمجھ کر اس گوش میں جگد وی جس میں کاشکاری کا سلام رہتا تھا۔

لیکن تادر شاہ صاحب کی مدت حیات قریب اختتام تھی۔ علاج بھی مفید نہ ہوا اور جب اختخار کا وقت آیا تو ماموں صاحب کا بیان ہے کہ مسافر بھجو کر میں ایک آن واحد کیواں سطھ ان کے قریب گیا تو یہ تماشا دیکھا کر جس قدر ان کا لباس اور مستر بوسیدہ اور کثیف تھا۔ اسی قدر انکا پتھر نورانی اور وہ ناریک کرہ روشن تھا اور نہایت پسندیدہ خوشبو آرہی تھی اور ہر سانس کے ساتھ ڈکر اس کا اسم ذات جاری تھا۔ مجھ کو نہرست ہوئی اور فوراً خیال آیا کہ آج ان کی یہ شان و عظمت صرف حاجی صاحب کی نلامی کی ہے۔ میں نے یہ بھی پوچھا کہ کچھ کہنا ہے۔ تو شاہ

صاحب نے بکمال صبر و حس جواب دیا کہ تم سے کیا کہیں جو ہمارا ہے والا ہے اس سے جو کہنا ہے وہ کہدے ہے ہیں۔ تھمارا یہ کام ہے کہ جب روح نکل جائے تو اس مٹی کو جہاں چاہے بدارنا اور تم تو حاجی صاحب کے پاس رہیں گے۔ اس لفکو کے بعد خاموش ہوئے اور زیادہ وقت نہیں گز راتھا کیاں کا انتقال ہو گیا۔

یہ تحریت خیز واقعہ دیکھ کر ماں صاحب کی حالت متغیر ہوئی تھی کہ اسی اضطراری کیفیت میں دیوبی شریف آئے اور مجھ سے فرمایا کہ مرید کرو۔ میں نے ہر چند سمجھایا کہ آپ حاجی امداد اللہ صاحب کے دست گرفتہ میں۔ اب اس کی خودت نہیں کہ یہاں بھی بیعت کیجئے۔ مگر اس تقدیر می قرار تھے کہ بار بار اصرار کیا۔ آخر مجبور ہو کر جناب حضور کی خدمت بامہ کرت میں ان کو لیا گیا اور عرش کیا کہ یہاں سے ماں صاحب کے میرے ماں صاحب امداد اللہ صاحب کے مرید میں اور آج آپ سے طالب ہوا چاہتے ہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا: ”تم اور امداد اللہ دونوں ہیں۔ بلکہ تم اور وہ ایک ہیں۔“ ماں صاحب نے نہادت پر حسرت الجب میں عرش کیا کہ قبلہ عالم دوبارہ ہاتھ پکڑا چاہتا ہوں اس وقت حضور نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: ”وَكُحُوبِيَّيْ امداد اللہ کا ہاتھ بہت ہم سے بھی جب رکھو“ اور دو روز کے بعد رخصت کر دیا۔

ماں صاحب سے بعض ان کے احباب نے دریافت بھی کیا کہ آپ مکر رکیوں مرید ہوئے تو ماں صاحب نے بھی جواب دیا کہ اول تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جناب حاجی صاحب کے مرید کا نجام اچھا اور بہت اچھا ہوتا ہے۔ جیسا کہ تاور شاہ صاحب کا ہوا۔ حالانکہ مجھے اگئے ساتھ ہو، نہیں تھا۔ مگر ان کا ناجنمایہا دیکھا کہ مجھے مدامت ہے کہ ایسے خوش نجام شخص سے مجھے خصوصت تھی۔ آج تک تجھر ہوں کہ ان کے انتقال کے وقت وہ کمرہ منور اور معطر کیوں ہو گیا تھا اور ان کی تجھیز و تکفین میں اس قد رجع کیوں ہوا اور یہ لوگ کہاں سے آئے۔ سوائے اس کے کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کی غلامی کا شرف تھا جس کا آخر وقت اس افتخار کے ساتھ اٹھا رہا ہوا۔

دو یمیں کہ رضاہ تسلیم کی سمجھیل کامل حاجی صاحب قبلہ نے اس نوبتی سے فرمائی کہ جو اپنی نظیر آپ ہے۔ چنانچہ دیوبی شریف میں جا کر علم ہوا کہ درحقیقت زبد و استقامت اس کو کہتے ہیں کہ جو کپڑا جسم اطہر پر ہے وہ بھی اپنا نہیں۔ اگر کسی نے تہبید پیش کیا تو اس کو باندھ لیا اور جو باندھ رہے تو اس کو دے دیا۔ بھی صورت بستر کی ہے کہ ایک آٹا جسے اور ایک جاتا ہے۔ ملی بذات کان بھی اپنا نہیں، کھانا بھی دوسرا شخص لاتا ہے اور رکھلا جاتا ہے غرض یہ کہ نہ کمرہ ہے نہ درونہ

حباب ہے نہ کتاب، نہ عزیز ہیں نہ اقارب، نہ رشتہ دار، نہ کسی بھروسے سے سروکار۔ واقعی القلاع حقیقی اسی کام ہے کہ بھروسات واحد الوجوہ کا ناتھ میں کسی نہ کام نہیں۔

چنانچہ حضور کی بیعت کے بعد ماموں صاحب استاد خوش عقیدت ہو گئے تھے کہ زندگی فقراء کی خدمت بھی کی اور ان کی علمت کی نکاہ سے دیکھا جس کا عرض یہ ملا کہ خاتمه کلمہ طیبہ کے ساتھ ہوا۔ جیسا کہ حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ ”عاشق کا مریض بے یمان نہیں مرتا۔“

اسی دو ران میں مضافات جیپور کے ایک نو بوان طالب فقر کو سرکار حالم پناہ نے تہینہ اور لگوٹ مرمت فرمایا اور ان کا ام نبی شاہ رکھا۔ چونکہ یہ درویش مجھ کو منظہ مدنی خیال کئے حلوم ہوئے تو خدمت عالی میں عرض کیا کہ حضور اگر ان کا قیام تاوارشہ کی تیار پر ہو جائے تو وہ آباور ہے۔ جناب حضرت نے یہ استدعا قبول فرمائی اور نبی شاہ کو یہ حکم دیا کہ ”تم پھر ایوں میں تاوارشہ کی قبر پر رہا کرو۔“ چنانچہ آنکہ نبی شاہ صاحب جب سے سیاحت سے واپس آئے ہیں تو تاوارشہ صاحب کی تیار پر ہے ہیں اور نہایت صبر و استغفار سے زندگی پر سرکرتے ہیں اور بکمال احتیاط پابند و شمع ہیں۔

الغرض تصرفات وارثی کی ایک شان یہ بھی دیکھی کہ خود تو بالابر کوئی بداشت نہیں فرمائی لیکن دوسرے کی زبان سے ایسے الفاظ ان کو سنائے گئے کہ وہ مخصوص ہو گئے چنانچہ ایک معمر اور مقدس اور ذی علم شخص مخلع میرٹھ سے بغرض حصول بیعت در دولت پر حاضر ہوئے لیکن تجاذب علم کے عجین نقاب نے ان کی چشم طلب کو حقائق و معارف کے مشاہدے سے مخدور رکھا اور تکمیل و اوہام کی دیواری سی سدراء ہوتی کہ تمیں روز آستانہ اللہ س پر قیام کیا۔ مگر نہ تین لمحات نے ان کو بیعت کی اجازت دی اور نہ قطعی طور اداست سے انحراف کرنے کی ان کو جرأت ہوتی۔ بلکہ اس کلکش نے ایسی مہر ناموشتی لگادی کہ اپنے شلوٹ کا انکھا رجھی نہ کر سکے لیکن حضور اقدس مولوی صاحب کے حال پر غیر معمولی عنایت فرماتے تھے چنانچہ چند تھرہ دن بعد مغرب مولوی صاحب قد ہوئی کیلئے حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب بیخو“ اور حسب معمول شید امیاں سے فرمایا کہ کوئی تاریخی تذکرہ بیان کرو۔ خدام حیران تھے کہ آن یہ بات خلاف معمول کیوں ہوئی۔ اسلئے کہ یہ وقت دربار خاص کا ہے۔ مولوی صاحب کیوں بخانے گئے مگر اس کی ثہر نہ تھی کہ رنگ توہات سے مولوی صاحب کے خیالات میں جو تکرارات آگئے ہیں ان کی صحتیں ہوئیں۔

چنانچہ حسب الحکم شید امیاں نے محمود غزنوی کے مہد میں ایک امیرزادہ کو اس کے

مرشد کامل نے عشق حقیقی کی جوہدیت کی تھی اس کو پر تفصیل بیان کیا اور آنماز اس مذکورہ کا حدیث  
”النُّؤْمَ أَخُ الْمَوْتِ“ سے ہوا اور مسائل عشق و محبت کی تصریح کیجی کسی آپ کریمہ اور راجحی کسی  
حدیث شیخ سے کی اور بزرگان سلف کے اقوال سے استدلال کیا اور انہمار متحصل کیلئے مشنوی  
شریف کے بعض اشعار بھی بہ جستہ پڑھے اور نہایت مسلسل طریق سے دو گھنٹے کی اس تقریر کا نتیجہ  
”مُؤْتُوا أَقْبَلَ أَنْ تَمُوتُوا“ سے کالا اور آخر میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر

خوشنز آن باشد کہ سر طiran

گنبد آید ور حدیث دنگان

﴿جس کی بات محبوبوں کی گھفل میں رو سروں کی حکایت میں بیان ہوتی ہے وہ بہت خوش نسیب  
ہوتا ہے۔﴾

پڑھ کر قصہ ختم کیا۔ اس وقت حضور نے مولوی صاحب سے مخاطب  
ہو کر فرمایا کہ ”مولوی صاحب اب جاؤ“

مولوی صاحب نے آ، کی اور مثل ماہی بے آب ترپنے لگے اور نہایت پر دردابھ  
میں کہا:

کے تو ان شد غبورے نیک نام  
نان سازی خویش را بد نام عشق

﴿جب نیک تو اپنے آپ کو عشق میں بد نام نہیں کرے گا۔ نیک اموں میں شلدیں ہو سکتا۔﴾  
اور اسی حالت میں حضور کے سامنے دست بست کھڑے ہو کر عرض کیا۔

کیکہ روئے تو بیند حدیث گل نکد  
کیکہ مت تو شد آزوئے مل نکد

﴿جس کسی نے تمرا پیر ہو دیکھا ہے وہ پھول کی بات نہیں کرنا اور جو تیری آرزو میں مت ہے اس  
میں کی ضرورت نہیں﴾

خداؤند نعمت میری فراب قسمت نے تین روز تک اس سعادت سے محروم رکھا۔ آپ  
امل بست کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے فرزند اور تمام مقام ہیں۔ واللہ

اے سید پاک و پاک زادہ ہر آئینہ داد حسن دارہ

اے سید پاک اور پاک زادہ آئینہ آپ کے بھال کی تحسین کرتا ہے۔

در پیش قد کشیدہ تو سرو چمن است ایضاڑہ

آپ کی تیامت کے سامنے باش کا سروہاتھ باندھ کر رکھا ہے۔

از روئے تو کاغذ حسن است شوریت درین جہاں فتاوہ

آپ کے پھرے سے سورج کی ناہندگی ہے اور جہاں میں بھی شوریہ پا ہے۔

**آرے سرزک و گیوانٹ بوئے چ نیم صح دارہ**

تیہاں آپ ہی کی بجزیں زلفوں سے نیم سحر مبکح حاصل کرتی ہے۔

خدا کی واسطے مصدقی "والعافیف عن الناس"۔ میرا قصور معاف ہوا اور حلقہ

غلامی میں داخل فرمائیے جناہ حضرت نے ان کی بیعت لی مجسم لوں سے فرمایا: "مولوی صاحب اب راست کوئہ سوئا" اور دوسرے روز ان کو رخصت کر دیا۔

علی ہذا تاضی بخشش علی صاحب نے اپنی ارادت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ۱۳۰۳ ہجری میں مولوی مظفر سیم صاحب وارثی کے ہمراہ بارہ بیکی سے قصہہ سہائی کو میں چارہ تھا۔ چونکہ مولوی صاحب حضور والا کے قدیم حلقہ گوش تھے اسلئے جب ہمارا یکہ دیوبنی شریف پہنچا تو صاحب موصوف شوق قدیمی میں مجھ کو بھی ہمراہ لیکر سرکار حالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین بوس ہو کر موڑ بیٹھ گئے میں نے دیکھا کہ اسی اثنائیں بیک وقت دس بارہ اشخاص طالب بیعت آئے اور حضور نے معمولی طور پر مرید فرمایا کر ان کو رخصت کر دیا۔ مجھ کو خدا شہ ہوا کہ آپ نے بغور کسی کو دیکھا بھی نہیں۔ قیامت کے روز یا اپنے مریدوں کو کیونکہ پہنچے نہیں گے اور سفارش کس کی کریں گے۔ لہذا ان کی بیعت کا قطعی بیکارا اور بالا اکل منفعت سے خالی ہے۔ اسی عرصہ میں سرکار حالم پناہ نے مولوی صاحب کو رخصت کیا اور مجھ سے مطالبہ ہو کر فرمایا کہ "تم تو پھر آؤ گے"۔ مجھ بدانال نے حضور کے اس فرمان کا مطلق خیال بھی نہ کیا بلکہ دل میں کہا کہ مجھے کیا ضرورت ہے جو پھر آؤ گا۔

غرض اسی وقت ہم دونوں دیوبنی شریف سے چلے اور شام کو سہائی بخش گئے تین روز کے بعد جب وہاں سے واپس چلے اور سواری کی تلاش میں مجبراً کا وان شریف کی جانب سے فوج پر کی پنجتہ سڑک پر آئے اور یہاں بھی انتشار کیا مگر سواری نہ ملی تو مولوی صاحب نے کہا پہنچہ کے بنگل میں ہمارے بیچ بھائی خدا بخش شاہ رہتے ہیں۔ ہر چند ملامات نہیں ہے۔ مگر اتفاق سے جب یہاں تک آ گئے ہیں تو ان سے بھی ملتے چلیں۔

چنانچہ موضع پہنچہ میں بخشی کر دیافت کیا اور خدا بخش شاہ صاحب کی قیام گاہ پر پہنچ تو یہ دیکھا کہ ایک دہقانی شخص بوسیدہ تہبند باندھ رہتے ہیں درخت کے نیچے بیٹھا ہوتا پی رہا ہے۔ مولوی

اللہ اپنی زندگی کے اس حصہ کا حال نگارش کر چکا ہو رہ تھا میری زندگی کا خلاصہ اور جس پر میری زندگی کے مال کا انعام ہے۔ البتہ اس چند روزہ حاضری کے دران میں جو مستعد اور غیر معمولی تصرفات دیکھان کو ملکی خیر کرنے میں یہ خیال ہے کہ اگر بالترتیب نگارش کروں تو خیمہ فخر ہو جائے گا اور غالباً ہذا حضور کی ہدایات اور ارشادات کی بھی تعداد کم نہیں ہے اسلئے ان کو بھی بالتفصیل نہیں لکھ سکتا اور علاوہ اس کے اکثر مفہومات انوان مدت کی تاریخات میں شائع بھی ہو چکے ہیں یا بعض ایسے ارشادات ہیں جن کو شرب و مسلم کے ممبر اتفاق ہے ان کی بحالان اشاعت خلافِ علوم ہوتی ہے لیکن فی الجملہ اس کی بھی ضرورت و کھانی دیتی ہے کہ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا بھی ذکر ہو اور چند مفہومات بھی لکھے جائیں۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ میری مدد و وفا قیمت نہ اس کی متناقضی ہو سکتی ہے کہ در دوست کے جملہ واقعات اور پیشوائے الحق کے تمامی تصرفات لسل کرے اور نہ میری استعداد اوس لائق ہے کہ ان تصرفات کی حقیقت اور ماہیت کماہنہ بیان کرے۔ گیناکہ روزانہ کا یہ دستور تھا کہ مختلف حیثیت اور مختلف خیال کے ارادتمند حاضر ہو کر حسب استعداد فیضان وارثی سے مستغیض ہوا کرتے تھے۔ مگر انہیں ارادتمندوں میں اکثر حضرات کی طلب اور معاملات کو حقانیت اور روحانیت سے ایسا سروکار ہوتا تھا جس کی تحریک اور تصریح کرنا تو یقینی ناممکن ہے بلکہ ان پر اسرار واقعات کا تو مجلاذ کر کر دشوار ہے۔ اسلئے وہ تصرفات جو روز و اسرار سے معمور ہیں اور وہ ارشادات جن کا نکات مخصوصی سے سروکار ہے ان کو تحریر میں لانا قطعی میرے امکان سے باہر ہے۔

البتہ مجھے ظاہر ہیں کہ تو یہی منصب ہے کہ وہی حالات نگارش کروں جو بظاہر ہمارے فہم و دراک کے لائق ہوں جیسا کہ طالبان الہی کا عام طور سے طلاق نمائی میں واصل ہونا جس کا سلسلہ قریب قریب ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ معمولی واقعات میں اکثر ایسے رموز و اسرار پائے گئے جن کا ہماری عقول میں آنا محال ہے چنانچہ باہر ہا ایسے بھی طالب خدا آئے جو مختصر و مقرر اور یا نہ وارزبان حال سے کہتے تھے:

جز تو کس در جہان نبی خواہم  
بے وصال تو جان نبی خواہم

﴿آپ کے سوا مجھے جہان میں کچھ نہیں چاہیے اور اگر آپ کا وصال نہ ہو تو جان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔﴾

پلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ بارگاہ وارثی کی معمولی بات بھی اپنی حقیقی حیثیت میں غیر معمولی بات کی احیت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ مثلاً ایک صاحب پہلی بھیت سے آئے اور حسب اجازت درگاہ شاہ ولایت صاحب میں قیام کیا اور بعد اور نماز ظہر وہ داخل سلمہ وارثی ہوئے۔ مگر نماز عصر کیانے ان کو شاہ فضل حسین صاحب نے بلا یا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جناب شاہ صاحب میں تو مرید ہو چکا ہوں اب نماز کیسی بقول

جو دل تاریخ میں بت سے لگا چکے

وہ صحیفہ چھوڑ کے کبھی کوچا چکے

شاہ صاحب نے فرمایا کہ مرید ہونے کے بعد آپ نماز کیوں نہیں پڑھیں گے جو عرض ہیں ہے۔ وہ سارہ مزانِ تحریر ہو کر بولے کہ میں نے تو یہ سناتا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کے مرید کو نماز معاف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے میں یہاں آیا اور حلقةِ خلائی میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب موصوف نے مجھ کو پا کر فرمایا کہ ان کے خیالات فاسد ہیں۔ خدا کے واسطے سمجھاؤ کہ نماز پڑھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو نماز نہ پڑھنے کا سبب وہی بھتھے بھی بیان کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے ہیر و مرشد سے بھی اجازتی ہے؟ کہا ”یہ تو نہیں کیا۔“ میں نے کہا ”بغیر ان کے معاف کے نماز کیونکہ معاف ہو جائے گی۔ اگر وہ کہ دیں تو چھوڑ دیجئے ورنہ اس حکم خداوندی کو آپ خود کیوں مگر چھوڑ سکتے ہیں۔“

میرا یہ کہنا ان کی بکھر میں آگیا اور اسی وقت میرے ہمراہ رکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے جنابِ حضرت سے یقین عرض کیا تو فضورِ مذکور ہے اور فرمایا کہ ”اگر تین ہر س اور نماز پڑھو۔ پھر چھوٹ جائیگی۔“ اور مخصوص طریق سے درود و شریف پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ وہ صاحب نہایت مسرور ہو کر واپس آئے اور بکمال خصوص و خشوع نماز عصر ادا کی اور شاہ فضل حسین صاحب سے کہا کہ جناب میری نماز بھی اب تین ہر س کے بعد چھوٹ جائے گی۔

پھر دوسرے سال میلہ کا نک میں وہ حاضر ہوئے تو ان کی حالت یہ تکھی کہ ہر وقت با فضور ہتھے ہیں اور درود و شریف کا ورد ہے اور ذوق و شوق میں نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر تیرے سال وہ میلہ میں نہیں آئے تو وہی گوہر خان صاحب وارثی رئیس پہلی بھیت جب حاضر ہوئے اور ان سے دریافت کیا تو طلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ شاہ فضل حسین صاحب نے جناب کیا تو اس نمازی کے انتقال کی تاریخ وہی تھی جس روز تین سال پورے ہوئے تھے جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے بندہ نماز پڑھوانے اپنے اس مرید صادق کوتار دم مرگ اور نے

نماز کیلئے تحکم فرمایا تھا جس وقت جماعت نصری سے روح کا متعلق چھوٹ گیا۔ اس عادہ خدا شناس سے نماز بھی چھوٹ گئی لیکن تین سال کی قید لگانا یا اس واقعہ اسرار اور مقبول پروردگار کا کام ہے جو فرشتائی سے خوار ہو۔ وہ ہمیشہ وہی کہتا ہے جو حق تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ بقول

**کنون او گلوبی اللہ یور**

**گرچہ از حلقوم عبدالله یور**

﴿اَنَّكُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ الْمُبَشِّرُونَ اَفَلَا يَرَوْنَ مِنْ هَذِهِ آياتِ اللَّهِ كُلَّ رَبْحٍ بِهِ تَحْمِلُونَ﴾

اسی مضمون کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ مشی سید نجم الدین صاحب ریس باگے پور جو نہایت مقدس اور خدا شناس شخص تھا اور ایک مرتب بلاخواہ عنیدت دیوبنی شریف میں حاضر ہوئے تھے۔ جب خصوص برائے پور شریف لے گئے اور مشی صاحب سے ملاقات ہوئی تو موصوف نے بکمال ادب یا استدعا کی کہ میری نماز چھڑا اور بچھے۔ جناب حضرت نے فرمایا کہ مشی ہی نماز چھوڑنے کی چیز نہیں ہے ”وَمَا حَلَقَتُ الْجِنُّ وَالإِنْسَانُ إِلَّا يَعْمَلُونَ“ مشی صاحب نے مرغ کیا کہ اب نماز عبادت نہیں بلکہ عادتاً پڑھتا ہوں اور ایسی نماز ہے سو ۷ حلوم ہوتی ہے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ ”مشی صاحب وضعداری اسی میں ہے کہ مرتنے ہم تک نماز پڑھے جاؤ۔“ چنانچہ چند روز کے بعد صین نماز عصر کی تیسری رکعت میں انتقال ہوا۔

ملل نہاد ۱۳۶۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ ہناب سے ایک مولوی صاحب آئے اور صدر رورواڑہ کے بالاخانہ میں جہاں ذپی سید نجم الدین صاحب وارثی و ذپی تاشی طیف عالم صاحب وارثی پہلے سے مقیم تھے۔ مولوی صاحب بھی ایک جانب تھرا گئے۔ دوسرے روز بعد نماز ظہر مولوی صاحب نے ان دونوں ذپی کلکڑوں سے کہا کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی کیا۔ حلوم نہیں ”فَمَنْ تَرَكَ الشَّلُوةَ مَعْلَمًا فَقَدْ حَفَرَ“ بے نماز یوں کہہ تہب کیلئے حبیب رب العالمین ﴿لَعَلَّكُمْ كَافِرُوْهُ﴾ نے سنایا کہ جناب حاجی صاحب بھی نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق ان سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ مولوی صاحب کا یہ بیہ کا نہ کلام سن کر دونوں ذپی کلکڑوں نے مجھ کو بلا کر یہ قصہ کہا اور خواہش ظاہر کی کہ ہم کو روسری چلے تھے اور دو۔

میں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا کام ہے، کہاں سے اور کیوں آئے ہیں؟

تو پنجابی بچہ میں فرمایا کہ میرا مام عبداللہ ہے اور اس نے ملکان سے آیا ہوں کہ حاجی صاحب سے نماز کی بابت گفتگو کروں۔ کیونکہ نمازوں میں تینیں کی تھوڑی ہے۔ کیا نہ نہیں ہے کہ اولین پر ش نماز پڑا، اور یہ مسلمہ ہے کہ اگر نماز خارج از وازہ اسلام ہے۔ قبول:

### خلاف پتھر کے رو گزید کہ ہرگز بھول خواہد رسید

(جو کوئی طریقت نبوی کے خلاف چلے گا اسی طور بھی منزل پنیں پہنچ پائے گا۔) میں اسی وقت مولوی صاحب کو سرکار عالم پناہ کی خدمت میں لے گیا تھاں وہاں مولوی صاحب خاموش بیٹھنے رہے۔ جب واپس آئے تو پھر کہا کہ مجھ کو حاجی صاحب کے پاس لے چلو وہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا ابھی تو آپ ملاقات کر کے واپس آئے ہیں لیکن خیر دوبارہ چلے اور پھر مولوی صاحب کو لے گیا۔ اس مرتبہ حضور نے فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ " یہ ملکان سے آئے ہیں۔" ارشاد ہوا کہ "پلٹو ٹھہر و پھر ملاقات ہو گئی۔"

عرض اسی طرح تین مرتبہ مولوی صاحب جناب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس آ کر یہی کہا کہ حاجی صاحب کہاں ہیں ان سے کچھ بتیں کروں گا۔ آخر پوچھی مرتبہ حاضر ہوئے تو سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب بیٹھو۔ مولوی صاحب فوراً قدہ ہوں ہوئے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ "مولوی صاحب سے دین جاری ہے اور اسلام کے یہ حاجی ہیں" اور پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ "جب ہم نے کافی شروع کیا اور استاد نے پڑھایا کہ الگنت لفظ تو ہم نے کہا کہ جب کلمہ ایک لفظ کا نام ہے تو اس کا پڑھنا بیکار ہے۔" پھر فرمایا کہ "مولوی صاحب ہم نے اپنے والد کا کتب خانہ تالاب میں ڈبوریا" اور ارشاد ہوا کہ "مولوی صاحب فی الفیس کم افلات پھر وون کے معنی جانتے ہو؟"۔ مگر مولوی صاحب خاموش اور کسی خیال میں بھر تی مستغرق بیٹھنے رہے۔ پھر حضور نے دریافت فرمایا کہ شب کو مشنوی مولانا روم کون پڑھتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہی مولوی صاحب پڑھ رہے تھے کسی قدر تر شروع ہو کر جناب والا نے فرمایا کہ "مولوی صاحب سمجھ کر پڑھا کرو۔ ورنہ چھوڑو۔ مشنوی کا مخفیوم اگر نہ سمجھے تو نہ پڑھئے۔" اس کے بعد مولوی صاحب کو رخصت کر دیا۔

اس مرتبہ بالا خانہ پر آ کر مولوی صاحب کچھ عرصہ تک تو ساکت رہے پھر حالت وجد میں مشنوی شریف کا پہلا شہر پڑھا اور جوش میں کفرے ہو کر تحسیں کرنے لگے اور یہ بات مولوی صاحب ایسا چیز کے دیکھنے والے تحریر تھے کہ پہلے تو بالا خانہ پر یہ نامق ہوتا

## یاوارت ..... (۲۹) ..... نووارت

رہا پھر اتر کر درود لاث پر عرصہ تک مولوی صاحب یا مات نامی پھر قصہ کی گلیوں میں مانچے پڑے اور بار بار کہتے تھے کہاب خوب سمجھو گیا۔

چنانچہ اسی صورت سے آنحضرت اور وہ ماتھم نہ ہوا اور اس عرصہ میں مولوی صاحب کو نہ اپنے کپروں کا ہوش ہوانہ کھانے کی فکر ہوئی، نہ پانی کی تلاش اور نہ کسی وقت نماز کا ذیال آیا۔ بلکہ یہی ایک شعر کہ:

بُشْنُو از نے چون حکایت میکد  
و ز جدائی با شکایت میکد

﴿ستوک با تسری کس طرح اپنی داستان سناتی ہے اور اپنی جدائی کا شکوہ کرتی ہے﴾  
پڑھتے تھے اور بار بار کہتے تھے خوب سمجھو گیا۔ بلکہ کسی نے اگر کہا کہ مولوی صاحب نماز پڑھ لیجئے تو جواب میں کہتے تھے کہ تم اپنی نماز پڑھو۔ میں پڑھ کا ہوں اور اب نمازیمری یہ ہے۔

حرے در سجدہ هر در ندارم  
جز این در قبله و مگر ندارم

﴿ہر در میں اپنے سر کو سجدہ میں نہیں فال دیتا کیوں کہ اس در کے سوا میرا کوئی اور قبلہ نہیں ہے﴾  
اور جس وقت زیادہ تقرار ہوتے تھے تو حالت جوش و اضطراب میں زار زار ہوتے اور کہتے تھے:

قاورا بہر جمال خوششں برگن این پردہ از رش برگن  
تاجخورد ناخشم خود را در وجود گر رکوع آرمیم شادان گر تجود  
﴿اے قاورا اپنے جمال کی خاطر اپنے چہرے سے یہ پردہ ہناوے تاکہ میں خود کو وہ جو میں دیکھ اؤں اور خوشی و انہارت سے کبھی رکوع کروں تو کبھی سجدہ ہے﴾

ہر چند مولوی صاحب کی حالت زار کا ہر شخص کو احساس تھا۔ مگر راجہ روست محمد خان صاحب وارثی نے ان کی پریشان حالتی پر بار بار فسوں کا اظہار کیا۔ آنحضرت موصوف کے اصرار سے مولوی صاحب کو میں تالاب پر لے لیا اور خوب نہلایا۔ گوان کے وجد کا خمار غسل سے بھی با لکل فروٹیں ہوا لیکن اس دوسرے ہفتہ میں رفتہ رفتہ اتفاق ضرور ہوا اور جب کسی قدر رکون ہو گیا تو ایک روز کمال ارب سرکار عالم پناہ کی خدمت ہامہ کرت میں حاضر ہو کر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ واللہ کائنات میں ہر ذرہ آپ ہی کے نور سے معمور ہے یہی ثابت شیخ کو پا بند اسلام کرتی

بے اور بھی صورت ہے تھن سے رام رام کھلواتی ہے۔ بتول:

از رندے و پارمائے تو  
مختانہ و خانقاہ در رقص

(تیری پارسائی اور رندگی سے مختانہ اور خانقاہ دونوں رقصائیں ہیں)۔

آئائے ناہار یہ خطاط شعار آپ کے کرم اور آپ کی عنایت کا امیدوار ہے اب  
خاطر یقرا رکنا ب انتظار نہیں۔ زندگی سے بیڑا رہوں۔ کیونکہ

خواب زخم من بشد حشم تو بست خواب من  
ناب تمام در حشم زلف تو مرد ڈاب من

(میری آنکھوں کے خواب تیری آنکھوں سے مسلک ہیں یعنی تو آنکھ بند کرے گا تو میں خواب  
دیکھ پاؤں گا۔ میرے وجود میں اب کچھ طاقت باقی نہیں کیوں کہ تیری زلف میری توہاں کی لے گئی  
ہے۔)

لہذا مستدی ہوں کہ اب شلام کو ہاس تقریم رحمت ہوا ور علاقاً دنیا سے آزاد ہر ما یعنی  
جتاب حضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ۔ ”تم اپنے دکان جاؤ اور دین کا مدرسہ جاری کرو۔“  
مگر جب مولوی صاحب زیادہ مختصر و بیقر را ہوئے تو ارشاد ہوا۔ ”اگر خراب ہی ہوا ہے تو پہلے  
پورب کی سیر کرو۔“ اس فرمان کی تفہیل کیلئے مولوی صاحب فوراً مستعد ہو گئے اور قد ہوئی ہو کر  
پورب کی سمت پلے گئے۔

یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ ایک شیاسی پختہ کے چنانی رویش آئے اور میرے بستر کے  
قریب پہنچ گئے۔ میں نے پوچھا کہ سادھو جی کہاں استھان ہے؟

کہا: ”بابا امرتسر سے آتا ہوں اور بارہ برس سے اس تلاش میں ہوں کہ کوئی نا رائی کا  
سیوک یہ تھا وے کہ زنگار اس ہمارے سریر کے اندر ہے یا میری کے باہر جا کر ہمہ تھاؤں نے  
سمجھا یا مگر افسوس کہ میری تشقی نہ ہوتی۔ جب حاجی صاحب بابا کلام سن تو اسی خیال سے یہاں  
بھی بھکاری بن کر آیا ہوں۔“

میں ان کو اندر لے گیا تو اتفاق سے اس وقت حضور کا بستر چمن میں تھا اور آپ کھڑے  
تھے وہ سادھو جب دروازہ میں داخل ہوا جتاب والا کی خدا نما صورت دیکھی۔ اسی مقام پر وہ  
زمین بوس ہوا اور عجیب کیفیت کے عالم میں افتاد و خیز اس قریب جا کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ سرکار  
عالم پناہ نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ ان کو ٹھہرا دا اور ان کے کھانے کا انظام کر دیا۔

بابر آگر میں نے کہا کہ معاویہ جو تم نے پکھو دریافت نہ کیا۔ وہ آپ بیوہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر دریافت کے جواب مل گیا۔ جس وقت دروازہ محلات میں نے مباکی صورت کی ایک نوٹ وہرنی سے آ کاش نک دیکھی اور جب گروہ تی کے چون میں سر دیا تو جسم بشری پالیا۔ بس میری تسلیم ہو گئی اور جو آج نک نہ سمجھا تھا وہ سمجھ گیا۔

یہ بھی دیکھا کہ اکثر طالبین لباس تقریکی استدعا مانظور بھی فرمائی ہے اور بعد کو حلوم ہوا کہ مانظور اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی طلب صادری اور خالصاً وجہ اللہ نہ تھی بلکہ کسی غرض پر مبنی تھی۔ چنانچہ ایک شخص نیپال کا باشندہ حاضر خدمت ہوا اور ملکی ہوا کہ مجھ کو تہبینہ مرحت ہو۔ پہنچتے حضور نے فرمایا کہ پہلے اپنی جور و گور ضامنہ کراؤ۔ جب وہ بابر آیا اور اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جور و سے لڑ کر آیا تھا اور اس رنگ کی وجہ سے وہ فقیر ہوا چاہتا تھا لیکن ہمارے حقیقت شناس چیشوں نے اس کی باطنی حالت پر نظر فرمائی اور تہبینہ نہیں دیا کیونکہ شخص اس خالقی رنجش کے باعث اس نے ترک لباس کا ارادہ کیا تھا۔ خدا کی طلب نہ تھی۔ چنانچہ ایسے واقعات اور بھی گذرے ہیں کہ اکثر حضرات کسی صدمہ کی وجہ سے ترک لباس کرنے پر آمادہ ہوئے مگر حضور نے ان کو تہبینہ نہیں دیا اور جب کچھ عرصہ کے بعد اس اندھہ والم کا ازالہ ہو گیا تو پھر بدستور وہ اپنے کار و بار میں مصروف ہو گئے اور برخلاف اس کے ہمن کی طلب تھی ان کو تہبینہ بھی ملا اور ان کی حالت میں تغیر بھی نہیں ہوا۔

اسی دو روان میں سلسلہ صاحب یہ کے ایک سعمر شخص درویش صورت مخلع ایڈہ سے آئے اور رحیم شاہ صاحب کے کمرہ کے باہر سائبان میں پھرائے گئے تھیں چار پانچ روز تک وہ اپنے بستر پر بیٹھے رہے جناب حضرت کی خدمت میں بھی نہیں حاضر ہوئے رحیم شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ دریافت کردیکون ہیں اور کیوں مقیم ہیں۔ میں ان کے بستر پر گیا تو دیکھا ایک ملعوبہ کتاب اردو کی ان کے ہاتھ میں ہے اور چند اہل دیہات معمولی طبقہ کے ان کے پاس بیٹھے ہیں اور شاہ صاحب سیر و سلوک کے قواعد ان کو سمجھا رہے ہیں اور درمیان تقریب میں یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ یہاں کوئی شخص نہ یہ نکات جانتا ہے اور نہ ان مقامات سے واقع ہے اور مرشد کی عنایت سے میں سب منازل سلوک طے کر چکا ہوں۔ بلکہ بہت بڑا مقام جس کا مام لا ہوتے ہے میں اس کی سیر کرنا ہوں۔ بقول:

مرث شاش درخت لاہوتیم  
گوہر درن حن اسرارتم

میں تھر لاہوت کی شاخ کا پرندہ ہوں اور روز و سارے کے خزانے سے ایک موتی ہوں۔  
پہلے تو میں بھی ان کی روحاںی تعلیم خاموشی کے ساتھ مستشار ہا۔ جب ان کے اس طرز  
و طریق سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ صاحب اپنی ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے عمومِ انس کو اپنی  
حکایت باطنی سے آگاہ کرتے ہیں اور چونکہ اس کام میں شب و روز صروف رہتے ہیں اس  
لماڑ سے سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کا وقت ان کو نہیں ملتا۔

بالآخر میں نے کہا کہ جناب شاہ صاحب اگر تکلیف نہ ہو تو اپنے طے کردہ مقامات کا  
نام تو بتائیں۔ شاہ صاحب نے نہایت کشاور پیشانی سے پیر فرمایا کہ صاحبزادے کیا آج تک تم  
نے سماں بھی نہیں کر طریقت میں مقامات فقر کے نام کیا ہیں۔ اگر تم کو شوق ہے تو میں تم کو سمجھائے  
دینتا ہوں یا درخواست اول مقام حاصلت، دویم ملکوت، سویم جیروت۔ چہارم لاہوت ہے جس کو یکے  
بعد دیگر میں طے کر پچھا ہوں اور وہی مطبوعہ کتاب دکھا کر فرمایا کہ اس میں بھی انہیں مقامات کی  
تصویح درج ہے اگر زیادہ اطمینان منظور ہو تو اس کو پڑھلو۔

میں نے عرض کیا کہ جناب شاہ صاحب افسوس ہے کہ جس منزل کا طے کرنا لازمی اور  
ضروری تھا اور جس مرحلہ کو بغیر طے کئے کاملین میں شامل نہیں ہو سکتا۔ وہی مقام آپ سے چھوٹ  
گیا۔ ورنہ ستر روزوں کی آجائی کہ آپ ہمارا پڑنے لگتے۔ شاہ صاحب نے تھجرا کر فرمایا کہ وہ  
کون سا مقام ہے۔ میں نے کہا کہ اس مشہور و معروف مقام کا مام منزل کہا دت ہے۔ جس  
مسافر راہ سلوک نے پیشو اگزار مقام طے کر لیا ہے اس کو سب منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ہر  
چند سالک مقام کہا دت کے نو رانی پیغمبر پر پہلے فتاویٰ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں بقا  
کا مرتبہ اس کو ملتا ہے اور کان حکیمین میں پرستکف مسئلہ پر بیٹھ کر وہ حقہ پہتا ہے اور بکمال اطمینان  
بھیروں کی رہن میں کہتا ہے:

فَا كَيْمَى بَقَى كَيْمَى جَبْ اَسْ كَيْمَى اَشَاطِيرَ  
كَيْمَى اَسْ كَرْ مَى آشِيرَ بَقَى كَيْمَى اَسْ مَى جَاطِيرَ

شاہ صاحب نے تھجرا ہو کر فرمایا کہ آج تک اس مقام کا مام بھی نہ کسی فقیر سے تنا  
اور نہ اس کتاب میں منزل کہا دت کا ذکر ہے۔ میں نے کہا جناب روز و سارے روح سفید نہیں  
ہوتے۔ بلکہ یلم یہ ہے جو بغیر خدمت کے نہیں حاصل ہوتا۔ بقول

ہر کے خدمت کردا و مددوم شد  
ہر کے خود را دیدے او محروم شد

﴿جو کوئی خدمت کرتا ہے مخدوم ہو جاتا ہے اور جو اپنی می دات کے سر میں بنتا رہتا ہے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔﴾

چنانچہ میں نے برسوں خاک چھانی۔ تب بڑی جانشناختی سے اس مقام عالیٰ کو طے کیا ہے۔ ہر کس کی مجال نہیں کہ منزل کہاوتے طے کرنے کا ذیل بھی کرنا اور آپ کی لفظ فخری سے تو یہ حلوم ہوتا ہے کہ اس کوچ میں قدم رکھنا بھی آپ کو مجال ہے۔ البتہ کسی باکمال شخص کی مسلسل خدمت کیجئے اور اگر افضل الہی بھی شامل حال ہوا تو شاید محترم کہاوت کی نحود کیسیں کھلا آپ کو نصیب ہوں۔ ورنہ اسی بجزہ خارے پڑا پار ہوا بہت دثار ہے۔ کیا یہ مشہور مقولہ آپ نے سنائیں:-

درین ورطہ کشتی فروشنہ ہزار  
کے پہاڑا نہد تختہ رہ کنار

﴿خیرت کے اس سمندر میں ہزاروں کشمیں پکھواں طرح غرق ہو گئیں کہ ان میں سے کسی کا ایک تختہ تک باہر نہیں آیا۔﴾

یہ کہہ کر میں تو اپنے بستر پر چلا گیا۔ مگر شاہ صاحب کو منزل کہاوت کی سیر کا اس قد رشوق ہوا کہ جناب شاہ نفل کسی میں صاحب اور معروف شاہ صاحب اور شید امیاں کے پاس باہر بارگئے اور ان سے باصرہ کہا کہ آپ سفارش کر دیں کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کراؤ۔ ان لوگوں نے بطور مذاق شاہ صاحب کو یہ سمجھایا کہ ہم بھی آپ کی سفارش کریں گے۔ مگر بہترین صورت یہ ہے کہ آپ جناب حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یا متعدد کریں۔ قریبہ ہے کہ آپ کی خاطر قبلہ عالم ان کو ضرور یہ حکم دیں گے کہ ان کو منزل کہاوتے طے کراؤ اور پھر اوگھٹ شاہ کی مجال نہیں کہ کوئی عذر کریں اور آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

چونکہ منزل کہاوت کے شوق نے شاہ صاحب کو زخور نہ کر دیا تھا اس لئے ”دیوانہ را ہوئے بس است“ کا مضمون ہوا کہ ان کو بھی یہ صلاح پسند آئی اور اسی وقت سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستدعی ہوئے کہ اللہ حکم فرمائیے کہ اوگھٹ شاہ مجھ کو منزل کہاوتے طے کراؤ۔ حضور نے مجھ کو طلب فرمایا کہ شاہ صاحب کا قصہ سننا اور مسکرا کر شاہ ہو کر اگر تم کو یہ حلوم ہو تو منزل کہاوتے طے کراؤ۔

میں نے باہر آ کر شاہ صاحب سے اقرار لیا کہ جو کہوں گا اس کی تعقیل کرنا ہو گی اس گروہ میں مقام کہاوت نے جب اس کو بھی قبول کیا تو میں نے یہ تلقین کی کہ آج سے نصف روٹی

صحیح کو اور نصف شام کو کھایا کرو۔ شاہ صاحب نے وفور شوق میں ایسا ہی کیا تھا جن اسی کے ساتھ میں نے بھی اس روز سے نصف ہی روٹی پر قیامت کی۔ اسی ہفتہ میں شاہ صاحب کو اس مجاہدہ نے ایسا ضعیف کر دیا کہ کشست و برخاست میں تکلف ہوئے۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو مجھ کو ذیال ہوا کہ وگی میں صورت مال نہ پڑیں آؤ۔ اسی وقت جناب حضرت کی خدمت میں ان کو لے لیا اور عرض کیا کہ یہ مقام کہا دتے طے کر آئے۔ حضور نے ذکر اسم ذات جاہلی تاحدہ سے ان کو تعلیم کیا اور فرمایا ”شاہ جی اب جاؤ“۔

شاہ صاحب اسی روز چلے گئے۔ مگر بعدہ متعال یہم کے بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے یہاں سے جا کر جملہ تعلقات منقطع کر دینے اور جنگل میں آزادیہ زندگی پر کرتے ہیں اور ہر وقت وجدانی حالت رہتی ہے اور اکثر ذکر اسم ذات بالجھر کرتے ہیں۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ ملا کہ با وجود یہ کہ یہ تصدیق را پاندھی تھا اور شاہ صاحب کو حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ بھی مذاق ہی کے بیڑا یہ میں دیا گیا تھا کہ یہ جا کر مقام کہا دتے کا اشتیاق ظاہر کریں اس مذکورہ سے چند منٹ کیلئے حضور کی پہنچنگی ہو گئی اور ایسا ہی ہوا کہ شاہ صاحب کی یہ طلب سکر حضور مسکرائے بھی لیکن اس مذاق کی رسائی چونکہ دربار وارثی میں ہو گئی تھی اس لئے یہ مذاق بھی وہاں پہنچ کر مذاق نہ رہا اور تصریح وارثی سے یہ مذاق بھی ”صحت صائم تر اصلیٰ کند“ کا مصدقہ ہو گیا۔ بتول:

سعادتِ ابدی در پے ارادتِ تست

چنانکہ عیدِ مبارک ز بعدِ ماہِ صیام

﴿جس طرح روزوں کے بعد عید آتی ہے اسی طرح ابدی سعادت تیرے ارادے سے مسلک ہے۔﴾

فینماں صحبت وارثی نے طالب کہا دتے کی بھی ہمایت فرمائی اور تسبیت وارثی کے حقیقی اثر نے یہ کر شمہ رکھایا کہ ”آگ لینے کو جائیں پیغمبری ہو جائے“۔ کامیکھون ہوا۔ اس غیور شہنشاہ کو منظور ہوا کہ ہمارے فیض نام سے سادہ لوح بھی محروم نہ جائے۔ بنطاحر ایک ذکر بھی تعلیم فرمایا اور بھائی تصرف سے ترک تعلقات کا دشوار گز امر حلہ ایسا کہل کر دیا کہ جب آسانی و دنیا کے دامہ مزید ویرے سے رہا ہو کرو ہا بلدر انقدر بھی ویران جنگل میں مسکن گزیں ہوا ”ذالکَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“،

ایک روز قریب عصر ہندو فقرا کے لباس میں ایک صاحب آئے اور اسی انداز کا مختصر

اسباب بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتفاق سے میں اس وقت دراقدس پر حاضر تھا۔ ملنے کے بعد یہ فرمائش کی کہ جلد قد نبوی کرو۔ ابھی واپس جاؤ۔ انہیں نے عجالت کا سبب پوچھا تو اضطراری حالت میں یہ بیان کیا کہ مجھ کو حلوم ہوا ہے کہ سب کا حصہ تقسیم ہو رہا ہے۔ لہذا میں بھی آتا ہے مادر کے دراقدس پر اپنا حصہ لینے حاضر ہوا ہوں۔ اصل حصہ نہ ہو ما چاہیے۔ میں اسی وقت با رگا ہوا رٹی میں ان کو لا لیا۔ نوزوہ والان کے پاس نہیں پہنچ تھے کہ سرکار عالم پناہ نے دیکھ کر فرمایا کہ ”اچھا جاؤ“۔ فرمان سنکرائی جگہ وہ زمین بوس ہو کر واپس آئے اور اپنا اسباب اٹھا کر درگاہ کی جانب چلے گئے۔

اسی وقت تھا کہ پہنچنے والے صاحب نے آگر یہ قصہ ساتوں موصوف کو شوق ہوا کہ ان کا حال منسلسل دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی خیال سے تھا کہ صاحب اور میں درگاہ میں آئے تو ویکھا وہ صاحب نماز پڑھ کر جانے کو ہیں۔ تھا کہ صاحب نے روکنا چاہا۔ مگر انہوں نے معدودت کے ساتھ گہا کر میں مہاک متوسط کا باشندہ ہوں۔ مالک نے میرا حصہ دیکھ کر مجھ کو نہست کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں بمال نہیں کہ قیام کرنے کا خیال بھی کروں اور مل کر فوراً چلے گئے۔

تلی ہذا میرے ماموں حاجی اشراق نہیں صاحب کے خیالات میں جس قدر تحریرات ہوئے وہ بھی خاص تصرفات وارثی کا کر شد تھا۔ یونکا وہ ہوا ماما حاجی احمد اول اللہ مہاجر بھی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور علمائے دیوبند کی تقلید کے ہمیشہ پابند ہے۔ نہ کبھی صوفیائے گرام کی تبعیت کی نہ فقرائے عظام کی عظمت ان کی نگاہ میں تھی۔ چنانچہ تادر شاہ صاحب وارثی جو تاجر ایوں میں عرصہ سے قیام پڑ پڑھا موسوں صاحبان کے بھی قطعی خلاف تھے۔ جب وہ ملیل ہوئے تو میری وجہ سے اس قدر رہنمایت کی کہ اپنی کوٹھی میں لاگران کا علاج کرو۔ مگر چوں کہ بدھن بہت تھے۔ اس لحاظ سے خود ان کی تمارواری میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ ان کو تغیر سمجھ کر اس گوش میں جگد وی جس میں کاشکاری کا سلام رہتا تھا۔

لیکن تادر شاہ صاحب کی مدت حیات قریب اختتام تھی۔ علاج بھی مفید نہ ہوا اور جب اختخار کا وقت آیا تو ماموں صاحب کا بیان ہے کہ مسافر بھجو کر میں ایک آن واحد کیواں سطھ ان کے قریب گیا تو یہ تماشا دیکھا کر جس قدر ان کا لباس اور مستر بوسیدہ اور کثیف تھا۔ اسی قدر انکا پھرہ نورانی اور وہ ناریک کرہ روشن تھا اور نہایت پسندیدہ خوشبو آرہی تھی اور ہر سانس کے ساتھ ڈکر اس کا اسم ذات جاری تھا۔ مجھ کو نہرست ہوئی اور فوراً خیال آیا کہ آج ان کی یہ شان و عظمت صرف حاجی صاحب کی نلامی کی ہے۔ میں نے یہ بھی پوچھا کہ کچھ کہنا ہے۔ تو شاہ

صاحب نے بکمال صبر و حس جواب دیا کہ تم سے کیا کہیں جو ہمارا سنبھالا ہے اس سے جو کہنا ہے وہ کہدے ہے ہیں۔ تمہارا یہ کام ہے کہ جب روح نکل جائے تو اس مٹی کو جہاں چاہے بداریتا اور تم تو حاجی صاحب کے پاس رہیں گے۔ اس لفظ کے بعد خاموش ہوئے اور زیادہ وقت نہیں گز راتھا کیاں کا انتقال ہو گیا۔

یہ تحریت خیز واقعہ دیکھ کر ماں صاحب کی حالت متغیر ہوئی تھی کہ اسی اضطراری کیفیت میں دیوبی شریف آئے اور مجھ سے فرمایا کہ مرید کرو۔ میں نے ہر چند سمجھایا کہ آپ حاجی امداد اللہ صاحب کے دست گرفتہ میں۔ اب اس کی خود رست نہیں کہ یہاں بھی بیعت کیجئے۔ مگر اس تقدیر می قرار تھے کہ بار بار اصرار کیا۔ آخر مجبور ہو کر جناب حضور کی خدمت بامہ کرت میں ان کو لیا گیا اور عرش کیا کہ یہاں سے ماں صاحب کے میرے ماں صاحب امداد اللہ صاحب کے مرید میں اور آج آپ سے طالب ہوا چاہتے ہیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا: ”تم اور امداد اللہ دونوں ہیں۔ بلکہ تم اور وہ ایک ہیں۔“ ماں صاحب نے نہادت پر حسرت الجب میں عرش کیا کہ قبلہ عالم دوبارہ ہاتھ پکڑا چاہتا ہوں اس وقت حضور نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: ”وَكُحُوبِيَّيْ امداد اللہ کا ہاتھ بہت ہم سے بھی جب رکھو“ اور دو روز کے بعد رخصت کر دیا۔

ماں صاحب سے بعض ان کے احباب نے دریافت بھی کیا کہ آپ مکر رکیوں مرید ہوئے تو ماں صاحب نے بھی جواب دیا کہ اول تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جناب حاجی صاحب کے مرید کا نجام اچھا اور بہت اچھا ہوتا ہے۔ جیسا کہ تاور شاہ صاحب کا ہوا۔ حالانکہ مجھے اگئے ساتھ ہو، نہیں تھا۔ مگر ان کا ناجنمایا دیکھا کہ مجھے مدامت ہے کہ ایسے خوش نجام شخص سے مجھے خصوصت تھی۔ آج تک تجھر ہوں کہ ان کے انتقال کے وقت وہ کمرہ منور اور معطر کیوں ہو گیا تھا اور ان کی تجھیز و تکفیر میں اس قد رجیع کیوں ہوا اور یہ لوگ کہاں سے آئے۔ سوائے اس کے کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کی غلامی کا شرف تھا جس کا آخر وقت اس افتخار کے ساتھ اٹھا رہا ہوا۔

دو یمیں کہ رضاہ تسلیم کی سمجھیل کامل حاجی صاحب قبلہ نے اس نوبتی سے فرمائی کہ جو اپنی نظریہ آپ ہے۔ چنانچہ دیوبی شریف میں جا کر علم ہوا کہ درحقیقت زبد و استقامت اس کو کہتے ہیں کہ جو کپڑا جسم اطہر پر ہے وہ بھی اپنا نہیں۔ اگر کسی نے تہبید پیش کیا تو اس کو باندھ لیا اور جو باندھ رہے تو اس کو دے دیا۔ بھی صورت بستر کی ہے کہ ایک آٹا جسے اور ایک جاتا ہے۔ ملی ہذا۔ کان بھی اپنا نہیں، کھانا بھی دوسرا شخص لاتا ہے اور رکھلا جاتا ہے غرض یہ کہ نہ کمرہ ہے نہ درونہ

حباب ہے نہ کتاب، نہ عزیز ہیں نہ اقارب، نہ رشتہ دار، نہ کسی بھروسے سے سروکار۔ واقعی القلاع حقیقی اسی کام ہے کہ بھروسات واحد الوجوہ کا ناتھ میں کسی نہ کام نہیں۔

چنانچہ حضور کی بیعت کے بعد ماموں صاحب استاد خوش عقیدت ہو گئے تھے کہ زندگی فقراء کی خدمت بھی کی اور ان کی علمت کی نکاہ سے دیکھا جس کا عوض یہ ملا کہ خاتمه کلمہ طیبہ کے ساتھ ہوا۔ جیسا کہ حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ ”عاشق کا مریض بے یمان نہیں مرتا۔“

اسی دو ران میں مضافات جیپور کے ایک نو بوان طالب فقر کو سرکار حالم پناہ نے تہینہ اور لگوٹ مرمت فرمایا اور ان کا ام نبی شاہ رکھا۔ چونکہ یہ درویش مجھ کو منظہ مدنی خیال کئے ہلوم ہوئے تو خدمت عالی میں عرض کیا کہ حضور اگر ان کا قیام تاوارشہ کی تیار پر ہو جائے تو وہ آباور ہے۔ جناب حضرت نے یہ استدعا قبول فرمائی اور نبی شاہ کو یہ حکم دیا کہ ”تم پھر ایوں میں تاوارشہ کی قبر پر رہا کرو۔“ چنانچہ آنکہ نبی شاہ صاحب جب سے سیاحت سے واپس آئے ہیں تو تاوارشہ صاحب کی تیار پر ہے ہیں اور نہایت صبر و استغفار سے زندگی پر سرکرتے ہیں اور بکمال احتیاط پابند و شمع ہیں۔

الغرض تصرفات وارثی کی ایک شان یہ بھی دیکھی کہ خود تو بالابر کوئی بداشت نہیں فرمائی لیکن دوسرے کی زبان سے ایسے الفاظ ان کو سنائے گئے کہ وہ مخصوص ہو گئے چنانچہ ایک معمر اور مقدس اور ذی علم شخص مخلع میرٹھ سے بغرض حصول بیعت در دولت پر حاضر ہوئے لیکن تجاذب علم کے عجین نقاب نے ان کی چشم طلب کو حقائق و معارف کے مشاہدے سے محدود رکھا اور تکمیل و اوہام کی دیواری سے سد راہ ہوتی کہ تمیں روز آستانہ اللہ س پر قیام کیا۔ مگر نہ تین لمحات نے ان کو بیعت کی اجازت دی اور نہ قطعی طور اداست سے انحراف کرنے کی ان کو جرأت ہوتی۔ بلکہ اس کلکش نے ایسی مہر ناموشتی لگادی کہ اپنے شلوٹ کا انکھا رجھی نہ کر سکے لیکن حضور اقدس مولوی صاحب کے حال پر غیر معمولی عنایت فرماتے تھے چنانچہ چند تھرہ دن بعد مغرب مولوی صاحب قد ہوئی کیلئے حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب بیخہو“ اور حسب معمول شید امیاں سے فرمایا کہ کوئی تاریخی تذکرہ بیان کرو۔ خدام حیران تھے کہ آن یہ بات خلاف معمول کیوں ہوئی۔ اسلئے کہ یہ وقت دربار خاص کا ہے۔ مولوی صاحب کیوں بخانے گئے مگر اس کی ثہر نہ تھی کہ رنگ توہات سے مولوی صاحب کے خیالات میں جو تکرارات آگئے ہیں ان کی صحتیں ہوئیں۔

چنانچہ حسب الحکم شید امیاں نے محمود غزنوی کے مہد میں ایک امیرزادہ کو اس کے

مرشد کامل نے عشق حقیقی کی جوہدیت کی تھی اس کو پر تفصیل بیان کیا اور آنماز اس مذکورہ کا حدیث "النُّؤْمَ أَخُ الْمَوْتُ" سے ہوا اور مسائل عشق و محبت کی تصریح کیجی کسی آپ کریمہ اور راجحی کسی حدیث سچ سے کی اور بزرگان سلف کے اقوال سے استدلال کیا اور انہمار متحصل کیلئے مشنوی شریف کے بعض اشعار بھی بہ جستہ پڑھے اور نہایت مسلسل طریق سے دو گھنٹے کی اس تقریر کا نتیجہ "مُؤْتُوا فَقِيلَ أَنْ تَمُؤْتُوا" سے کالا اور آغڑ میں مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر

خوتتر آن باشد کہ سر طiran

گنبد آید ور حدیث دنگان

﴿جس کی بات محبوبوں کی گھفل میں رو سروں کی حکایت میں بیان ہوتی ہے وہ بہت خوش نسیب ہوتا ہے۔﴾

پڑھ کر قصہ ختم کیا۔ اس وقت حضور نے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "مولوی صاحب اب جاؤ"۔

مولوی صاحب نے آ، کی اور مثل ماہی بے آب ترپنے لگے اور نہایت پر دردابھ میں کہا:

کے تو ان شد غبورے نیک نام  
نان سازی خویش را بد نام عشق

﴿جب نیک تو اپنے آپ کو عشق میں بد نام نہیں کرے گا۔ نیک اموں میں شلدیں ہو سکتا۔﴾  
اور اسی حالت میں حضور کے سامنے دست بست کفرے ہو کر عرض کیا۔

کیکہ روئے تو بیند حدیث گل نکد  
کیکہ مت تو شد آزوئے مل نکد

﴿جس کسی نے تمرا پیر ہو دیکھا ہے وہ پھول کی بات نہیں کرنا اور جو تیری آرزو میں مت ہے اس میں کی ضرورت نہیں۔﴾

خداؤند نعمت میری فراب قسمت نے تین روز تک اس سعادت سے محروم رکھا۔ آپ اعلیٰ بیت کرام علیہم السکون و السلام کے فرزند اور تمام مقام ہیں۔ واللہ

اے سید پاک و پاک زادہ ہر آئینہ داد حسن دارہ

اے سید پاک اور پاک زادہ آئینہ آپ کے بھال کی تحسین کرتا ہے۔

در پیش قد کشیدہ تو سرو چمن است ایسا زادہ

آپ کی تیامت کے سامنے باش کا سروہاتھ باندھ کر رکھا ہے۔

از روئے تو کاغذ حسن است شوریست درین جہاں فتاوہ

آپ کے پھرے سے سورج کی ناہندگی ہے اور جہاں میں بھی شوریہ پا ہے۔

**آرے سرزک و گیوانٹ بوئے چ نیم صح دارہ**

تیہاں آپ ہی کی بجزیں زلفوں سے نیم سحر مبکح حاصل کرتی ہے۔

خدا کی واسطے مصدقی "والعافیف عن الناس"۔ میرا قصور معاف ہو اور حلقہ

غلامی میں داخل فرمائیے جتنا حضرت نے ان کی بیعت لی مجسم لوں سے فرمایا: "مولوی صاحب اب راست کوئہ سوئا" اور دوسرے روزان کو رخصت کر دیا۔

علی ہذا تاضی بخشش علی صاحب نے اپنی ارادت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ۱۳۰۳ ہجری میں مولوی مظفر سیم صاحب وارثی کے ہمراہ بارہ بیکی سے قصہہ سہائی کو میں چارہ تھا۔ چونکہ مولوی صاحب حضور والا کے قدیم حلقہ گوش تھے اسلئے جب ہمارا یک دیوبنی شریف پہنچا تو صاحب موصوف شوق قدیمی میں مجھ کو بھی ہمراہ لیکر سرکار حالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین بوس ہو کر مواد بیخ گئے میں نے دیکھا کہ اسی اثنائیں بیک وقت دس بارہ اشخاص طالب بیعت آئے اور حضور نے معمولی طور پر مرید فرمایا کر ان کو رخصت کر دیا۔ مجھ کو خدشہ ہوا کہ آپ نے بغور کسی کو دیکھا بھی نہیں۔ قیامت کے روز یا اپنے مریدوں کو کیونکر پہنچے نہیں گے اور سفارش کس کی کریں گے۔ لہذا ان کی بیعت کا قطعی بیکارا اور بالا اکل منفعت سے خالی ہے۔ اسی عرصہ میں سرکار حالم پناہ نے مولوی صاحب کو رخصت کیا اور مجھ سے مطالبہ ہو کر فرمایا کہ "تم تو پھر آؤ گے"۔ مجھ بدانال نے حضور کے اس فرمان کا مطلق خیال بھی نہ کیا بلکہ دل میں کہا کہ مجھے کیا ضرورت ہے جو پھر آؤ گا۔

غرض اسی وقت ہم دونوں دیوبنی شریف سے چلے اور شام کو سہائی بخش گئے تین روز کے بعد جب وہاں سے واپس چلے اور سواری کی تلاش میں مجبراً کا وان شریف کی جانب سے فوجپور کی پنجھ سڑک پر آئے اور یہاں بھی انتشار کیا مگر سواری نہ ملی تو مولوی صاحب نے کہا پہنچہ کے بنگل میں ہمارے بیچ بھائی خدا بخش شاہ رہتے ہیں۔ ہر چند ملائت نہیں ہے۔ مگر اتفاق سے جب یہاں تک آ گئے ہیں تو ان سے بھی ملتے چلیں۔

چنانچہ موضع پہنچہ میں بخشی کر دیافت کیا اور خدا بخش شاہ صاحب کی قیام گاہ پر پہنچ تو یہ دیکھا کہ ایک دہقانی شخص بوسیدہ تہبند باندھ رہتے ہیں درخت کے نیچے بیٹھا ہوتے پی رہا ہے۔ مولوی

صاحب نے سلام کیا تو بناش ہو کر شاہ صاحب کھڑے ہو گئے اور نبایت خلوص و محبت کی ساتھ آدھائی کہہ کر مولوی صاحب سے معافہ کیا اور مجھ سے معمولی طریقہ سے صرف مصالحت کیا۔ مگر مولوی صاحب کی مداراث میں ان کو خاص اشیا کے تھے جس سے ولی مسرت کا صاف انٹھا رکھتا۔

شاہ صاحب کی میری نسبت یہ ہے اللہ تعالیٰ مجھ کو ما گوار ہوئی اور تر شر و ہو کر میں نے شکایت کی کہ شاہ صاحب فقیری کا دعویٰ بھی آپ کرتے ہیں اور اخلاقی محمدی سے استغراق و اتفاق اور بے شر۔ یہ قفر ہے آپ کو کس نے سمجھائی کہ ایک مهمان کے ساتھ یا اتنا دا اور ایک کے ساتھ یہ پر خلائق۔ المسوں۔

ہر چند یہ شکایت تو کی مگر خیال تھا کہ میری یہ سخت کلامی شاہ صاحب کو غرور را خوش کر دے گی۔ لیکن قصیٰ اس کے عکس ہوا کہ شاہ صاحب پر کمال ممتاز نہ کر کہنے لگے کہ میاں صاحبزادے برانہ مانو۔ یہ ہمارے بھائی ہیں اور تم غیر ہو۔ یہ ہمارے مالک کی زندہ یا وکار ہیں اور تم کو دربار وارثی سے کوئی حقیقی سروکار نہیں۔

مجھ کو تعجب ہوا اور استفسار کیا کہ یہ آپنے کیونکر جاما کہ میں غیر ہوں اور آپ کے بھائی ہیں کیونکہ حیثیت ہماری ایک ہے۔ ان سے بھی آپ ناشنا ہیں اور مجھ سے بھی نا اتفاق۔ پہلا موقعہ ہے جو ہم روپوں کو نیاز حاصل ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں یہ کیونکر سمجھا ہے۔ اسلئے کہ تم کو تو اسی کا یقین نہیں کہ ہمارا مالک اپنے مریدوں کو کیونکر پہچانے گا۔ مگر غور کرو کہ اس پیشوائے ذمی احشام کے اولیٰ خلام جب یا روا غیار کو پہچانتے ہیں تو ہمارے آتا ہے مادر کی تو پڑا ہی سرکار ہے۔

شاہ صاحب کی یہ عارفانہ تقریر میرے امر اخیں بالطفی کے حق میں اکسیر ہو گئی۔ ولے اپنی جہالت کا فوراً اعتراض کیا اور عکسیت وارثی کا ایسا انکشاف ہوا کہ میں نے نہادت سے سر جھکا کیا اور رعب حق سے مرغوب ہو کر خاموش ہو گیا۔ ایک لمحہ کے بعد مولوی صاحب نے شاہ صاحب سے رخصت طلب کی تو موصوف فرط محبت سے ایسے تھقرا رہوئے اور زار زارہ نے لگے اور اصرار کرتے رہے کہ آج نہ جاؤ لیکن مولوی صاحب نے شاید میری جہت سے مغدرت کی اور وہاں سے ہم روپوں پھر پا پیدا رہ چلے۔

پنجمین سڑک پر آ کر مولوی صاحب سے میں نے اپنی حالت بیان کی اور متعدد ہووا کر دیوی شریف پلو او راجہ جی حلقة خلائی میں داخل کر دو۔ مولوی صاحب نے میری اس خواہش پر

مر جما کہا۔ اور تریب عصر دیوبئی شریف پہنچ کر بارگاہ وارثی میں حاضر ہوئے اور سرکار عالم پناہ سے میری سفارش کی۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا: "آج گئے اجب تک رور تھے دور تھاب ہمارے پاس رہیں گے، اور میری بیعت ہی۔"

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ فیضان وارثی نے کس کس طریقے سے تھوڑی الی کی ہدایت فرمائی اور کیسی خوبی سے ان کے خداشت رفع کئے کہ آئندہ خیالات میں شلوک کی گنجائش نہ رہے ورنہ تااضنی بخشش ملی صاحب کی تعلیم دوسرے عنوان سے بھی ملکن تھی۔ مگر نہیں۔ اس طبیب باطنی نے ان کے مرٹل کاملاں اس نسخے کیا جس نے اسہاب مرٹل کو ہمیشہ کیلئے زائل کر دیا اور ان کا یہ شبہ کہ جناب حضرت میریہین کی شناخت گوناگون فرمائیں گے یوں رفع کر دیا کہ اپنے ایسے غلام سے مقابلہ کرو دیا جس کے صحیح اندازہ نے بغیر تعارف ایک نظر میں یار و اغیار کا انتیاز کر دیا اور تااضنی صاحب کے شلوک و تخلیقات کی کافی اصلاح ہو گئی۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ بھی ملا ہے کہ انہوں نے ملت کو اسی طرح باہمی انس و محبت رکھنا لازمی ہے۔ جس طرح خدا بخشش شاہ صاحب کی شفقت بردارانہ کا اظہار ہوا اور باوجود ما آشنا ہونے کے مولوی مظفر حسین صاحب کی پہلی ملاقات میں خلوص واللاتھ کے ساتھ مدارا تھے کی۔ بلکہ تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ وارثی کے قدمیں حلقة گوش جس طرح وینگر صفات میں ہم سے ممتاز تھے۔ اسی طرح یہ صفت بھی ان میں خاص طور پر نہیاں پائی جاتی ہے اور واقعی وہ پاک نہایہ باہمی ارتباط و اتحاد میں لیکن روزگار تھے اور ان کے واثقانہ ضروریاں کا رہا رہیں گے۔

چونکہ وہ حق شناس اہل تصدیق تھا اور پیشوائے برحق کی ہدایت کے مطابق ان کا یہی طریق تھا کہ باہمی انس و محبت کو دستور شرب کی شفقت ہی جانتے تھے۔ گوناگون سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے: "بھائی بھائی میں باہمی محبت ہوا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت ہے۔"

حضور کا یہ ارشاد جو غلاموں کیلئے باہمی اتحاد کا صریحی حکم ہے اس کو اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو شارع اعظم ﷺ کی ہدایت کا لفظی ترجمہ ہے کہ چونکہ حضرات محدثین کا اتفاق ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والصلیم نے اخوت اسلامی کے قیام و استحکام کے واسطے تاکید کیا ہے اور انصار و مہاجرین نے اس زرین ہدایت کی قبولی جس خلوص و خوبی سے کی وہ اپنی نظیر آپ ہے اور اسی کا یہ تجیہ تھا کہ مغرب سے شرق تک ان کی شان و عظمت کا نشان بلند ہوا اور اس قلیل التعداد جماعت کے ہاتھ سے بڑے بڑے کارہائے نہیاں ہوئے اور ہر گوشه عالم میں

اسلام کا ذکر نہیں کیا۔

تیرہ سوری کے بعد اسی اتحاد کی بذراحت جمیل رب العزت کے مظہرا تم نے اپنے نلاموں کو کیا اور سمجھا دیا کہ انہوں نمیں کبھی محبت فی الحقیقت پیشوائی کی محبت ہے کیونکہ بیٹا اور مردی اپنے باپ اور پیر کی حقیقی یادگار ہے اور یہ ایسا صحیح معیار فرمایا کہ جس میں بھی اختلاف ہوئیں سکتا۔ اسلئے کہ اگر اسلاف سے ٹھیک ہے تو ان کی نسبت کا تفہام ہے کہ اخلاق سے خر و رعلق ہو۔ بقول

**رُّمْ دلْ كَيْوْ مِزْنِيْ بُوْ نَهْ مجْنِيْ  
يَ ثَانِيْ بَهْ اَسْ كَهْ پِيَكَانْ كِيْ**

غرض فیضان وارثی نے خدا بخش شاہ کی صورت میں تاضی صاحب کی یہ بذراحت ایسی فرمائی کہ موصوف نے صرف بیعت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ موضع گدی کی قدمیں سکونت ہمیشہ کیلئے ترک کی۔ شب و روز خدمت بارہ کرت میں حاضر رہنے لگئی تھی کہ بکان بھی دیوبی شریف میں بنالیا اور دربارہ وارثی کے مخصوص خدام میں انکا بھی شمار ہو گیا لہذا یہ اصراف گو بظاہر خدا بخش شاہ صاحب کا اصراف حلوم ہوتا ہے مگر نہیں۔ خدا بخش شاہ بجز رہنے کے تھا اور نے نواز کوئی خاص قوت تھی جس نے یہ کرشمہ لکھا ہے۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ:

**وَرْ بَسْ آَيْنَهْ طَوْلِيْ سُقْتِمْ دَاشِتْ إِنْ  
آَنْجِيْ اسْتَادْ ازْلَ كَفْتْ هَانْ مِيْگُومْ**

﴿آئینے کے پچھے طولی صفت پر مد رکھا ہوا ہے جو کچھ ازل کا استاد کہتا ہے وہی کچھ یہ بھی کہتا ہے۔﴾

اور بعض مترشدین کو حقائق و معارف کی تلقین حضور نے دوسری شان سے فرمائی کہ بغیر تو سل نکلا طمیان یوں کر دیا کہ ایک معمولی لکھم کے مطالعہ سے وہ خلام کا میراب اور فائز المرام ہو گے۔ ہر چند اس تحریر مذکوم کا ظاہری مضمون غیر معمولی نہ تھا۔ مگر باطنی طور پر اس کا اصراف کچھ اور ہوا۔ چنانچہ احد شاہ صاحب وارثی جو آبائی شرف نلایی سے مشرف اور قدیم تہبیند پوش ہیں ان کو سرکار عالم پناہ نے ایک مشنوی مرحمت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ روز پڑھ لیا کرو۔ احد شاہ صاحب نے کچھ مرصد تک اس کی مزاولت کی جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی حالت بالکل متغیر ہو گئی۔ گوان کے وار وات قلبی سے خبر وار نہیں ہوں۔ مگر بظاہر یہ یقینیت ان کی تھی کہ نہ عافیت کی خواہش نہ اؤیت کا مال۔ خویش و اقربا سے بیزار۔ بجز پیشوائے برحق کسی سے سرفکارہ رہا اور بقول

بلل شیراز بخیال پنځونه ہو گیا

**جز آستان قوم در جهان پنا ہے نیست  
سر مرا بجز این در حواله گا ہے نیست**

﴿آپ کے آستانہ کے سوا زیا میں میری کوئی پناہ نہیں اور میرا خواہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے﴾  
اکثر عوارض جسمانی لاحق ہوئے اور ان کی وجہ سے ما تامل برداشت تکلین بھی  
الٹھائی لیکن نہ کبھی علاج کیا اور نہ کبھی فکایت سے لب آشنا ہوئے۔ جملہ احوال میں رضاۓ  
مولانا زہد اولیٰ پر عمل رہا اور آج تک اسی اصول کے پابند ہیں بقول:

**سپرم بت مای خوش را  
تو والی حباب کم و بیش را**

﴿میں نے اپنی جمع پوچھی تیرے جو اے کروی ہے اور کم یا زیادہ کا حباب تو ہی جانتا ہے۔ ہے  
تلی ہذا حافظاً خدا بخش صاحب متولی آگرہ کو بھی فیضان وارثی نے اسی شان سے  
مستفیض فرمایا۔ ہر چند حافظاً صاحب قدیم حلقت گوش تھے اولیٰ عمر میں ان کے والدین نے  
مریب کر دیا تھا۔ اسی حالت سے وہ اکثر حاضر خدمت بھی ہوتے تھے لیکن بھر علوم ظاہری کے فائدہ  
انہ طریق کی جانب موصوف کی طبیعت کامیلان مطلق نہ تھا۔ ایک مرتب جو شوق زیارت میں  
حاضر ہوئے تو حضور اقدس نے ایک مسدس سنایا جس میں جذباتِ عشق کا مذکور تھا۔

حافظاً صاحب کو حضرت اقدس کی اس عنایت کا حساس بھی نہ ہوا۔ بلکہ خیال کیا کہ  
بجائے آیات و احادیث کے یہ اردو کا مسدس کیوں سنایا گیا۔ دوسرے روز جب حضور نے  
رخصت کیا تو وہی مسدس مرحمت فرمایا اور بکمال شفقت ارشاد ہوا: ”حافظاً جی کبھی کبھی اس کو بھی  
پڑھلیا کرو۔“

حافظاً صاحب کا بیان ہے کہ آگرہ پہنچ کر دو چار بھی مرتب اس کو پڑھتا تھا کہ بھرہ وہی  
واتھا تھے جن کے اشارات اس میں منظوم تھے پیش آئے اور دعطا خیالات میں اپنا تغیر ہوا کہ جو  
سامان میری وچھپی کا تھا اس سے قطعی انفرت ہو گئی اور وہ احباب جن کی صحبت سے وہ ملکی اور  
فرحت ہوئی تھی ان کی صورت سے وحشت ہونے لگی اور اس حالت میں روزہ انزوں ترقی ہوئی۔  
چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد دیوانہ وار حاضر خدمت ہو کر تہینہ کا طلبگار ہوا لیکن حضور نے فرمایا کہ  
”اپنا تقویٰ نہ فراب کر۔“

دوسرے روز حافظاً صاحب زہد و اقامتے بیزار ہو گر نگ کام سے وست

بہ رار ہوئے۔ عاشقانہ روشن انتیار کی اور ملامت خلق بہ داشت کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ ہر چند بعض اہل عقل وہوش نے سمجھا لیا بھی۔ مگر وہ جوش فروں ہوا اور ایک آہ سر و بھر کرا ضطراری حالت میں کہا کہ آپ میرے غنوار ضرور ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے بقول حافظ شیراز زندہ علیہ:

حافظ بخود نہ پوشید این خرد میں آلو

اے شیخ پاک دامن معدود دار مارا

(حافظ نے پیشرا ب کے داغوں سے پر لبارہ ٹوٹنیں پہننا اے شیخ پاک دامن اس حوالے سے مجھے معدود رجان)

اور اسی رد انہ طریقی اور قلندرانہ وضع سے خدمت بارہ کت میں حاضر ہوئے ان کی یہ بیان کہ اسی دیکھ کر حضرت مسکرا نے اور اسی وقت فرقہ فقر یعنی تہبید مرحمت ہوا اور احمد شاہ مام رکھا اور ارشاد ہوا "حافظ! اب اسی وضع سے رہنا اور اسی وضع سے مرتا۔"

اب اگر خیال کیا جائے وہ مہنوی ایسے حفاظت و معارف سے ملتوی جس کے درد سے احمد شاہ صاحب فائز المرام ہوئے اور یہ مسدس سر اپار موز و اسرار سے معمور تھا جس کے مطابع سے فوری اثر یہ ہوا کہ حافظ احمد شاہ صاحب ایسے ناب بیرون کو بخود دیکھ کر دیا تو کہا ہیں جائے گا کہ ہر گز نہیں اسلئے کہ ان مذکوم تمثیروں میں کو خصوصیات عشق اور اڑات محبت کا ذکر ضرور ہے مگر متعدد حضرات نے اکا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن بظاہر یہی دو شخص پیونکہ کامیاب ہوئے ہیں۔ اس واسطے صاف ظاہر ہے کہ یہ کر شد کسی خاص قوت کا مدد کا ہے جس نے اس پر وہ میں اپنے علماء کو دیکھ دیافت کی آنکھیں مرحمت فرمائیں اور ہر سوں کی ریاست شاق کے بعد بھی جو صورت و تم و خیال میں آتا دشوار یا بحال تھی۔ اس کا تعلیم اپنا اطمینان رکھا کہ جس کو دیکھ کر یہ مدھوش و بیقرار اور تعلقات عالم سے قطعاً دامت بدار ہو گئے۔

چنانچہ اسی قبیل کے متعدد واقعات ہیں کہ مختلف طریق سے اپنے علماء کی سرکار عالم پناہ نے پرورش فرمائی ہے اور وہ ثابت تفویض ہوئی جو ان کی حیثیت و استعداد سے بہت زیادہ تھی اور اس کا بھی یقین ہے کہ جو ارادتمند بظاہر فیضان باطنی سے ہنوز مستقیض نہیں ہوئے ہیں۔ وہ بھی بمصادق۔ "مکیں اُمُر مُؤْهُون" پاؤ فاتحہ "عماۃت پیشوائے محرّم نہیں رہیں گے کیونکہ جنور نے متواتر فرمایا ہے کہ "جسکی فحست کا جو حصہ ہے وہ اس کو ملے گا اور اگر زندگی میں نہیں ملا تو مرتے وقت ضرور ملے گا اور مرتے وقت تھا ملا تو انکی قبر میں ضرر و خلوص دیا جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "ماشق کا مرید بے ایمان نہیں مرتا"۔ لہذا اسلام و ارشاد کو یہ بنا راست

مبارک ہو کر ہاری کامل نے امداد کا قطعی وحدہ فرمایا ہے اور جب امداد کا وقت آیا تو حسب وحدہ امداد کی۔ یعنی وہ صادق الاقرار آئندہ بھی اپنا وحدہ ضرور ایقا کریگا۔

بلکہ اس عطايات باطنی کے ساتھ حضور نے ظاہری ہدایات سے بھی ہم کو خروج نہیں رکھا جن کی قابل سے اعلیٰ ظواہر کے دینیوی معاملات درست اور اعلیٰ اللہ کی دینی مشکلات آسان ہو سکتی ہیں۔ بقول

بہار گلشن حست دل و جان نازہ میدارو

برنگ اصحاب صورت راب بو ارباب معنی را

﴿بَاش کی ہوا ولہ جان کی خوبصورتی کو نازہ کر دیتی ہے جس طرح اصحاب صورت ارباب معانی کے نمائندہ ہوتے ہیں۔﴾

ہر چند حضور کے بعض مفہومات کا ذکر اخوان ملت نے اپنی تائیفات میں کیا ہے اور وہی ہماری ہدایات کے واسطے کافی اور بس تھے لیکن مناسب حلوم ہوتا ہے کہ اپنی حاضری کے زمانہ میں جوار شادات بگوش خود سے ہیں اور نوزیرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند ضروری ہدایات مختصر نقل کروں۔

چنانچہ حضور نے فرمایا کہ:

☆ فقیر کو چاہئے ہر حال میں خوش رہے اور زندگی کے دن کاٹ دے۔ تکلین ہو تو شکایت نہ کرے اور آرام ہو تو شکر بجا لائے۔

☆ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ فقیر کو چاہئے نہ تکلین سے گھبرائے اور نہ شکایت کرے۔ کیونکہ محبوب کی دی ہوئی چیز سے گھرا محبت کے منافی ہے اور محبوب کی شکایت مشرب عشق میں کفر ہے۔

☆ اور یہ تو سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے کہ ہر کسی فقیری یہ ہے کہ مر جائے مگر کسی کے آگے پاٹھ نہ پھیلائے۔ ☆ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ فقیر کو چاہیے کسی کی چیز کو خیانت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

☆ فقیر وہ ہے جو انگر رہے۔

☆ فقیر وہ ہے جو اپنی بحقی میں رہ کر خویش و اقربا کاممنون نہ ہو۔

☆ فقیر کو لازم ہے کہ بجز خدا کے کسی کا بھروسہ نہ کرے۔

☆ فقیر جہاں رہے لاطین رہے۔

- ☆ پڑی بات یہ ہے کہ فقیر اپنی سختی میں نیک کام ہو۔
- ☆ مقام فقر بہت بڑا مقام ہے۔
- ☆ سلسلہ فقر اہمیت کرام علیہم السلام سے ہے۔
- ☆ فقیر ابی بن ناطئہ سے ہے اور امام حسین علیہ السلام کے ذریعے یہ فرض جاری ہوا۔
- ☆ فقیر وہ ہے جو انتظام سے طلبہ ہو۔
- ☆ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔
- ☆ فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا نہ ملک ہونہ خود کسی کی ملک میں ہو۔
- ☆ فقیر کو چاہیے نہ کسی کیلئے دعا کرے اور نہ گندہ اعتماد کرے۔
- ☆ فقیر وہ ہے جس کی کوئی سائنس خالی نہ جائے۔
- ☆ یہ بھی بتا کیا فرمایا ہے کہ فقیر کو لازم ہے کہ دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرے اور خدا کے واسطے جان دیجے۔
- ☆ جو شخص اپنا کام آپ کرنا چاہتا ہے تو اللہ میں بھی طلبہ ہو جاتے ہیں اور جو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے تو اللہ اس کے کام کو پورا کرتا ہے لیس لازم یہ ہے کہ جو کام کرے اللہ کے بھروسہ پر کرے۔
- ☆ یقین کے ساتھ خدا کو اپنامد و گار جاؤ۔ و کفی بالله و کپلا۔
- ☆ خدا ہر چیز کا ملک اور ہر چیز پر تقاوی رہے۔
- ☆ خیر و شر اسی کی جانب سے ہے۔ مگر تصدیق اس کی مشکل ہے۔
- ☆ خدا تم میں ہے گورتم و یکجہنم سکتے (فِي الْفَسَكْمِ أَقْلَاتُ بَصَرُونَ)۔
- ☆ ایمان خدا کی محبت کا کام ہے۔
- ☆ من و تو کا بھگڑا جائے تو خدا اپنی کا جلوہ نظر آئے۔
- ☆ اپنی سنتی کامنامائیں فقیری ہے۔
- ☆ یہ بھی فرمایا ہے کہ موحد ہونا بہت مشکل ہے۔
- ☆ آنکھ تو حید لگے سیر ہے۔
- ☆ مشق و بھی ہے جو کب سے نہیں حاصل ہوتا۔
- ☆ محبت ہے تو سب کچھ ہے اور محبت نہیں تو ریاست بیکار ہے۔
- ☆ محبت ہے تو ہزار کوں پر ہم تھمارے ساتھ ہیں۔
- ☆ ایک صورت کو پکڑا وہی تمحارے ساتھ یہاں بھی رائیگی اور وہی قبر میں اور وہی حصہ میں

ساتھ ہوئی۔

- ☆ محبت میں شاد و گدا کافر قبیلیں رہتا۔ جسے محدود ولایت کا واقعہ ہے۔
  - ☆ یار کا تصور عاشق کی زندگی ہے۔
  - ☆ رضاۓ یار عاشق کا ایمان ہے۔
  - ☆ عشق میں انتظام نہیں۔
  - ☆ جس کو اپنی خواہشات کی خیر ہے وہ عشق سے پہنچ ہے اور اسی مضمون کو حضور نے دوسرے لفظوں میں یوں فرمایا ہے کہ عاشق یار سے خیر و اوزن و جودا سے سے پہنچ رہتا ہے۔
  - ☆ معشوق کی جنا کو عاشق عطا سمجھتا ہے۔
  - ☆ محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔
  - ☆ ایمان محبت کامل کام ہے۔
  - ☆ عشق میں ترک ہی ترک ہے۔
  - ☆ عاشق وہ ہے جو معشوق پر جان قربان کرے۔
  - ☆ عشق میں سردے تو یہ سرم ہو۔
  - ☆ جب تک خوبینی ہے پھر سے جا ب رہے گا۔
  - ☆ خود پرستی جا ب کو پڑھاتی ہے اور تصور سے دور رکھتی ہے۔
  - ☆ بے خودی جا ب کو اٹھاتی ہے۔
  - ☆ مردہ اس طرح پھر سے ملے۔ جس طرح قطرہ دریا سے مل جاتا ہے۔ جب تک قطرہ نہیں مل۔ قطرہ رہتا ہے اور جب مل جاتا ہے تو وہی قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی اسے قطرہ نہیں کہتا۔
  - ☆ عشق میں کفر اسلام ہو جاتا ہے۔
  - ☆ انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے۔
  - ☆ پھر کی صورت میں خدامت ہے اور تمیل میں ولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھا
- چون کہ ذات پھر را کروی قبول  
بهم خدا در ذات آمد هم رسول**
- ﴿میں نے پھر کی ذات کو اس لئے قبول کیا ہے کہ اس کی ذات میں اللہ اور رسول نظر آتے ہیں ﴾
- ☆ بخش جس سے محبت کرنا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔

☆ جو صورت تمہارے ساتھ یہاں رہے گی وہی مرتے وقت، وہی قبر میں، وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔

☆ جس کے تصور میں مردگے اسی کے ساتھ حشر ہو گا۔

☆ جس کو تصدیق نہیں اس کا ایمان نہیں۔

☆ جس صورت کا خیال پختہ ہو جائے گا وہی صورت بعد مرگ بھی قائم رہے گی۔

☆ جو مرید ہیج کو دور بچے وہ مرید اُس ہے اور جو ہیج مرید سے دور ہے وہ ہیج اُس ہے۔

☆ حسد ہمیشہ ذمہ دار ہوتا ہے۔

☆ حسد سے ایمان خراب ہوتا ہے۔

☆ کسی کو بہانہ کوہنہ برداشت کرو۔

☆ کسی کی عداوت کو دل میں جگہ نہ دو۔

☆ دُشمن سے بدلہ نہ لو۔

☆ دُشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہ حضرت شیر خدا کی حکمت ہے۔

☆ جس دل کو محبت سے سروکار ہوتا ہے اس میں عداوت کی گنجائش نہیں ہوتی۔

☆ ہماری منزلِ عشق ہے اور منزلِ عشق میں خلافت اور جائشی نہیں، جو تم سے محبت کرے وہ

ہمارا ہے۔ (پلکہ مستندہ رائج سے، علوم ہوائے اور رسالہ صین ایقین میں بھی لکھا ہوا ہے کہ

۲۷ نومبر ۱۸۸۹ء کو یہ فرمان مایس صراحت طبیعت خیر میں آیا کہ) ہماری منزلِ عشق ہے جو کوئی

دعویٰ جائشی کا کرے وہ باطل ہے ہمارے یہاں کوئی چہار ہو یا ناگرہب ہو جو تم سے محبت

کرے۔ وہ ہمارا ہے۔“

اغر غص پیشوائے برحق نے ہماری ہدایت ایسے جامع اور عام فہم الفاظ میں فرمائی ہے

جو عمر بمرثویوں سے مملو ہے۔ مثلاً اگر نظر غائز سے دیکھا جائے تو انہیں احکام میں شخصیں بھی پانی

چلتی ہے اور انہیں میں قیم بھی۔ علوم ہوتی ہے۔ جس طرح ایک مجرداً اور آزاد غلام انہیں احکام کی

لکھیں سے کامیاب اور فائزِ الامر ہو سکتا ہے اسی طرح ایک ایسا واسطہ گرفتہ جو نورِ زادم تعاقبات

میں گرفتار ہے وہ بھی انھیں زرین ہدایات سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسلئے ہماں اور بلند ہم

کہہ سکتے ہیں کہ حضور کے ارشادات ہمارے دینی مفہموں دریوی بہروں کے واسطے کافی اور بس

ہیں اور ملنونکات وارثی کا مجموعہ جملہ علامان وارثی کیلئے مکمل دستورِ اصول کا حکم رکھتا ہے۔ جس کی

لکھیں سے ہم انسان بکد انسان کامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ اخوانی ملت جنہوں نے صدق

وناوس سے حضور کی تعلیم کو ہلکی تسلیم کیا ہے وہ مقصود اصلی کے حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے اور وہ حقیقت وہی اس کے متعلق ہیں کہ ان کو یہ مقدس خطاب دیا جائے اور ان کو وارثی کہا جائے۔

ماں کی حقیقت ہم کو بھی یہ توفیق مرحمت فرمائے کہ فرمانبردار غلاموں کی طرح ہم بھی احکام و ارثی کی پکالی ذوق و شوق قبیل کریں اور ہمارے خیال کو بھی ایسی یکسوئی اور وہ استقلال حاصل ہو کہ حاویت محسوسات عالم سے ہم متاثر نہ ہوں اور مطلوب حقیقت کے شوق و صال میں زبان حال سے کہیں:

جان من زندہ بتائیر ہوائے گر است  
سازواری نہ کند آب و بائے گرم

﴿میری جان کسی دوسری ہوا کے اڑتے قائم ہے۔ کوئی اور ہوا اور پانی میرے موافق نہیں ہے  
لہذا اب یہ رسالہ اس غدر کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ جب یہ مسلم ہے کہ شہنشاہ اکلم  
عشق سرکار عالم پناہ کے اصرفات وہ بیانات بھی یقینی جذبات عشق اور خصوصیات محبت سے خالی  
نہیں تو عشق کے روز و اسرا رکا جملہ ذکر کر لے بھی دشوار ہے۔ بقول

خُن عشق نہ آلت کہ آیدِ بُنَان  
ساقیا می دہ و کوئا، کن این گفت و شنید

﴿عشق کی بات بھی زبان پر نہیں آ سکتی ساقیا مجھے جام تھما دے تاکہ میں اس بات پیت کو خفر  
کروں ۴﴾

تم بعونہ تعالیٰ و هو بتوای الصالحين  
پلیان آمداین فخرِ خلائقِ آنچنان باقی  
اصد فخرِ خلائقِ گفت حسب الحال مشتاق

﴿یہ کتاب مکمل ہو گئی لیکن ابھی اس کی بات باقی ہے شاید اس کی بات کیلئے سوکتا ہیں بھی ماکانی  
ہوں نی۔ ۵﴾

## تقریظ و تاریخ

از تائیج طبع مای خن سخنی نیشان جامع فضل کمال فتح طلاق اللسان مطہین بلیغ البیان فروع مطلع  
معنی شناسی

جناب حکیم مولوی سید احمد صاحب وارثی مدظلمه العالی  
گوش آجی زیر سویم ہواوارث ہواوارث  
ازین رو فاش میگویم ہواوارث ہواوارث

الحمد لله الذى من علينا بوجود محمد المصطفى پائیں پس آنکه  
درین روز ہاہر اور محترم حضرت او گھٹ شاہ وارثی پھر ایونی کے تصانیف و میراث دار و مال مددیہ  
و تجیرہ رشحات الانس درباب چکوئی مرور و تناست خوبیتیں منطبق فرمودہ کہ دران از یوم اور اک  
شرف خدمت حضور مرشد پاک فرزند صاحب لوالک مطلب عالم غوث اعظم حاجی حرمین  
الشیخین و سلطنتی الدارین سیدنا ہوئینا وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تاخانے زندگانی خاہی  
و ظہور حیوة باطنی حضور لامن النور طاپ شراہ و بعل جد الرضوان شواہ ہرچہ دید و گذشت بطریق  
اختصاری کے از ہزار شب نمودہ تا از سرگذشت یادگارے و پس آیندگان را ازوے تذکارے  
باشد۔ ہمدرین نور و دامان اوراق آخوند شیر کاہ تمہنا بابد سے از گرانما یہ گوائے ملفوظات ہا یہیں  
کہ گاہ بیگاہ دران ہنگام گوش ہوش خوردہ بورپا اپنا شہزادے وہ ماۓ خوبیتیں ہیوڑ زادے برداشتہ  
چشم آن دارم کیا اگر میسر شو و ووئیگر برادران طریقت ہم تم تباش کام کی وارند و خیرہ خوبی و گلدستہ  
مرغوبی ازین دست فراهم میتوان شد۔ قطعہ مختصرے از سال طبعش کر تجلیت تمام بکم رسید الحال  
ہوک خامہ پر وہ میشور و السلام خیر خدام۔

چ او گھٹ شاہ احوالش رقم کرو  
اگرچہ بیشتر حال خوش ہست  
بھیض وارث پاک من احمد  
بیش زدم از تاریخ وارث  
لئی سمجھ کم ، از تاریخ وارث  
بهد سالش ہم ، از تاریخ وارث